تین ننھے سراغ رساں
اور گنجی کھوپڑی

تین ننھے سُراغ رساں

اور

گنجی کھوپڑی

سلیم احمد صدیقی

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

پہلی بار	۱۹۷۸
تعداد	۴۰۰۰
قیمت	۴روپے

عجیب صندُوق

عنبر کو روز صبح سویرے اخبار پڑھنے کی عادت ہوتی اور نہ یہ سارا چکّر چلتا۔

ہوا یُوں کہ عنبر، نسیم اور عاقِب، تینوں سُراغ رساں کریم انٹرپرائز کے پیچھے عنبر کے خالُو کریم کے لان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عاقِب ایک کتاب پڑھ رہا تھا، نسیم دُھوپ سینک رہا تھا، اگرچہ اب دُھوپ سینکنے کی اتنی ضرورت نہ تھی، اور عنبر گھاس پر اُلٹا لیٹا اخبار پڑھ رہا تھا کہ وہ ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گیا اور چٹکی بجاتے ہوئے بولا:

”بن گیا پروگرام!“

”کیسا پروگرام؟“ نسیم نے چونکتے ہوئے کہا۔

”یہ اکیلے ہی اکیلے کون سا پروگرام بن گیا؟“ عاقِب نے کتاب پر سے نظریں اُٹھاتے ہوئے پوچھا۔

”بھئی، میرا مطلب ہے کہ ہم یہاں چلیں۔ کیسا خیال ہے؟ ذرا مزہ ہی رہے گا۔“ عنبر نے اخبار میں ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

نسیم اور عاقِب اخبار پر جھک گئے۔ یہ ایک نیلام کا اشتہار تھا۔ لاہور میں عابد اینڈ کمپنی مختلف سائز اور مختلف قسم کے ٹرنک سوٹ کیس اور صندُوق نیلام کر رہی تھی۔ یہ وہ صندُوق وغیرہ تھے جنہیں مسافر اپنے ہوٹلوں میں چھوڑ گئے تھے اور پھر لینے نہ آئے تھے۔ گویا یہ لاوارث مال تھا۔ اور اُن کے بارے میں دلچسپ بات یہ تھی کہ اسی طرح بند نیلام کیے جا رہے تھے۔ خریدار اور نیلام کرنے والے دونوں کو یہ پتا نہ تھا کہ کس صندُوق، ٹرنک یا سوٹ کیس میں سے کیا نکلے گا۔

”بھئی، میرا تو خیال ہے کہ یہاں جانے سے کوئی فائدہ نہیں۔“نسیم نے کہا۔ ”ان میں لوگوں کے کپڑے ہی ہوں گے اور مجھے کسی کے کپڑوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔“

”مجھے بھی کوئی دل چسپی نہیں۔“ عاقِب نے کہا۔ ”میں تو کہتا ہوں کہ آؤ، آج مچھلیاں پکڑیں۔“

”نہیں بھئی۔“عنبر نے کہا۔ ”سُراغ رساں ہمیشہ عجیب عجیب چیزوں کی کھوج میں لگے رہتے ہیں۔ کیوں نہ ہم بھی ایک آدھ چھوٹا موٹا دل چسپ سا صندُوق لے آئیں اور اسے کھول کر دیکھیں۔ ہے نا دل چسپ بات۔“ ”ہوں، تم کہتے ہو تو واقعی یہ بات کچھ دل چسپ معلوم ہوتی ہے۔“ عاقِب نے کہا۔

”تو چلیں۔“عنبر بولا۔

”چلے چلتے ہیں۔ کیوں نسیم؟“

”بھئی، جب ایک کے مقابلے میں دو ووٹ ہوں تو مجھے چلنا ہی پڑے گا۔“

نسیم نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ”مگر چلیں گے کیسے؟“

”میں کنگ موٹر کمپنی کو ٹیلی فون کر کے اللہ داد کے ہاتھ مرسیڈیز کار منگوا لیتا ہوں۔ اب تو ہم لوگ ضرورت پڑنے پر اسے استعمال کر سکتے ہیں۔“ عنبر نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

دس منٹ کے اندر اندر اللہ داد، نیلی وردی میں ملبوس مرسیڈیز کار لے کر کریم انٹرپرائز کے دروازے پر پہنچ گیا۔ تینوں سُراغ رساں جھٹ پٹ کار کے اندر بیٹھ گئے۔ پھر عنبر نے کہا۔ ”ہمیں لاہور جانا ہے اور پھر وہاں سے واپس آنا ہے۔“

”واپس تو آئیں گے ہی۔“ اللہ داد نے کہا اور کار چلا دی۔

”اوہ!“ عنبر کھسیانا سا ہوتے ہوئے بولا۔ ”میرا مطلب تھا کہ ہم وہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہریں گے۔“

جب یہ لوگ عابد اینڈ کمپنی کے نیلام گھر میں پہنچے تو سٹیج پر ایک موٹا سا آدمی، بھورے رنگ کا سوٹ پہنے زور زور سے چلّا رہا تھا۔ ”جا رہا ہے۔۔۔۔ چالیس روپے ایک چالیس روپے دو۔۔۔۔۔۔ پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔ یہ لیجئے چلا۔ چالیس روپے تین۔“

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا لکڑی کا ایک ہتھوڑا سا زور سے میز پر مارا۔ ”آیئے جناب، لے لیجیے اپنا سوٹ کیس۔“ اس نے کہا اور پھر ہاتھ میں پکڑی ہوئی ایک فہرست دیکھتے ہوئے بولا۔ ”لیجیے جناب، اب نمبر ۵۵ آ رہا ہے۔ دکھائیں جی ذرا اوپر کر کے۔“ یہ آخری فقرہ اس نے دو نوکروں سے کہا تھا جنہوں نے جھٹ سے ایک عجیب و غریب صندُوق اوپر کر کے دکھایا۔

”یہ صندُوق۔۔۔۔۔۔ دیکھیے، صاحبان! یہ صندُوق عجیب سا ہے۔ اس کے اندر نہ جانے کیا ہو گا۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ بولی شروع کیجیے۔ آیئے۔ بولیے صاحبان۔۔۔۔۔ بڑھیے۔۔۔۔ آگے آیئے۔۔۔۔“ بھورے رنگ

کا سوٹ پہنے بھاری بھر کم آدمی چلّا رہا تھا۔

مگر مجمع ابھی تک خاموش تھا۔ یہ صندُوق لکڑی کا تھا اس لیے لوگوں نے اس میں کوئی دلچسپی نہ لی تھی، اسی لیے سب چپ تھے۔

''بولیے صاحبان۔'' موٹا چلّایا۔ ''جلدی کیجیے صاحبان۔۔۔ آیئے بولی بولیے۔''

لیکن مجمع بالکل خاموش تھا۔

''میرا خیال ہے، میں بولی دوں۔''عنبر نے کہا۔

''کیا کرو گے ؟''نسیم نے کہا۔ ''اس میں سوائے پرانے کپڑوں کے اور کیا ہو گا۔''

''میرے خیال میں یہ کسی تھیٹر کے اداکار کا ٹرنک ہو گا۔''عنبر نے بتایا۔

''بھئی، مجھے تو رستم و سہراب یا لیلےٰ مجنوں کے کپڑوں دل چسپی نہیں۔''نسیم نے بُرا سامنہ بنایا۔

”خدا کے لیے عنبر، یہ تم کیا خریدنا چاہتے ہو؟“ عاقِب بھی لکڑی کے اس عجیب سے صندُوق کو خریدنے کے حق میں نہ تھا۔

”دیکھے صاحبان! یہاں بڑے بڑے قدر دان لوگ موجود ہیں۔“ موٹا چلّایا ”اس ٹرنک کے لیے بولی دیجیے جس میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کسی نواب کے ہیرے جواہرات ہوں۔ دیر نہ کیجیے صاحبان۔۔۔۔ آیئے، آیئے، بولی دیجیے۔۔۔۔ بولی دی۔۔۔۔۔۔“

”دس روپے۔“ عنبر نے زور سے چیخ کر کہا۔ آس پاس کھڑے لوگوں نے اسے حیرت سے دیکھا۔

”دیکھیے صاحبان! اس نوجوان نے، جس کی آنکھوں میں ذہانت کی چمک لہرا رہی ہے، اس لکڑی کے صندُوق کے دس روپے لگائے ہیں۔ اور آپ جانتے ہیں میں کیا کرنے لگا ہوں؟ میں بولی اس کے حق میں ختم کرنے لگا ہوں۔ دس روپے ایک، دس روپے دو، دس روپے تین۔“ یہ کہہ کر اُس نے لکڑی کا ہتھوڑا میز پر مارا اور کہا۔ ”گیا!“

”ٹھہریے، جناب!“ یکایک مجمع کے کنارے پر کھڑی ہوئی ایک بوڑھی خاتون چِلاّئی میں اس صندُوق کے سو روپے لگاتی ہوں۔“

”گستاخی معاف، محترمہ“ نیلام گھر کے انچارج نے کہا۔ ”اب کوئی فائدہ نہیں۔ یہ صندُوق اس لڑکے کا ہو چکا۔“

اُدھر عاقِب اور نسیم عنبر کو حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ اس نے خواہ مخواہ دس روپے ایسے صندُوق پر ضائع کر دیے جسے پورے مجمع میں سے کسی نے بھی خریدنا پسند نہ کیا تھا۔ لیکن ان کی حیرت کی انتہا اس وقت نہ رہی جب بوڑھی خاتون مجمع کو چیرتی ہوئی عنبر کے پاس آئی اور اپنے پرس میں سے دس دس روپے کے دس نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ ”یہ لو بیٹے، پورے سو روپے ہیں۔ یہ ٹرنک مجھے دے دو۔“

اسی لمحے نیلام گھر کے دو ملازم لکڑی کا وہ عجیب سا ٹرنک لیے عنبر کے پاس آئے اور اس سے دس روپے لے کر رسید دے دی۔

عاقِب اور نسیم کا خیال تھا کہ عنبر بڑھیا سے روپے لے لے گا، مگر وہ اس

وقت حیرت سے اُچھل پڑے جب عنبر نے کہا۔ ”معاف کیجیے محترم خاتون، میں آپ کو شکل سے سوداگر لگتا ہوں؟“

”نہیں بیٹے، میرا مطلب تھا اگر تم مجھے یہ صندُوق دے دیتے تو میرے پاس پورے سو صندُوق ہو جاتے۔“

”سو صندُوق؟“ عنبر نے حیرت سے کہا۔

”ہاں، میں پُرانے صندُوق جمع کرتی ہوں۔ میرے پاس عجیب عجیب سے صندُوق ہیں۔ لکڑی کے، جست کے پیتل کے، ہاتھی دانت کے۔۔۔۔“

نسیم اور عاقِب ہاتھی دانت کے صندُوق کے بارے میں پوچھنے لگے، مگر عنبر نے کہا۔ ”آپ اپنی سنچری پوری کرنے کے لیے کوئی اور صندُوق خرید لیجیے۔ یہ صندُوق ہم نے بیچنے کے لیے نہیں خریدا۔“

”سوچ لو بیٹے، میں تمھیں اس صندُوق کے دو سو روپے دے سکتی ہوں۔۔۔ تین سو روپے۔۔۔ چار سو روپے۔ بس۔ اس سے زیادہ نہیں۔“

”اگر آپ ایک ہزار روپے بھی دیں گی تو بھی میں یہ صندُوق نہیں بیچوں گا۔“

”پھر بھی، آخر تم اس کا کیا کرو گے؟“ بوڑھی عورت نے جھنجھلا کر کہا۔

”کھول کر دیکھیں گے کہ اس کے اندر کیا ہے۔“ عنبر نے اطمینان سے جواب دیا۔

عورت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر پھر رُک گئی اور ایک طرف کو دیکھتی ہوئی چلی گئی۔ عنبر نے اُدھر نظر ڈالی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک آدمی کیمرا لیے انہی کی طرف آرہا ہے اور وہ عورت شاید اُسی کو دیکھ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ اس آدمی نے عنبر سے کہا:

”میں اخبار اتّفاق کا نمائندہ ہوں اور یہاں کسی خبر کی تلاش میں آیا تھا۔ شکر ہے کہ مجھے خبر مل ہی گئی۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ نے یہ صندُوق کیوں خریدا، جسے کوئی بھی شخص خریدنے پر آمادہ نظر نہیں آرہا تھا؟“

”جناب، اس کی وجہ صرف ایک ہے۔“ عنبر نے اپنے دائیں ہاتھ کی اُنگلی بُلند کرتے ہوئے کہا۔ ”اور وہ یہ کہ ہم خود اِسے کھول کر دیکھنا چاہتے ہیں کہ آخر اس کے اندر کیا ہے؟“

”کیا تمہارے خیال میں اس کے اندر کوئی بہت ہی قیمتی چیز ہے؟“

”نہیں۔ میرا ایسا کوئی خیال نہیں۔ دراصل ہم تینوں دوست سُراغ رساں ہیں۔“

”سُراغ رساں؟“ اخباری نمائندے نے حیرت سے پوچھا۔

”جی ہاں۔“ عنبر نے جیب میں ہاتھ ڈال کر تعارفی کارڈ نکالا اور اُسے اخباری نمائندے کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ”یہ رہا ہمارا کارڈ۔“

اخباری نمائندے نے بڑی دلچسپی سے کارڈ لیا اور اُسے دیکھنے لگا۔ کارڈ پر لکھا ہوا تھا:

تین ننھے سُراغ رساں

ہم مُشکل سے مُشکل گتھیاں سلجھا سکتے ہیں

؟؟؟

سُراغ رساں نمبر ایک: عنبر

سُراغ رساں نمبر دو: نسیم

سُراغ رساں نمبر تین: عاقِب

"خوب! تو تم لوگ اس صندُوق کے بارے میں تفتیش کرنا چاہتے ہو؟"

"جی ہاں۔"

"اچھا، اب آپ لوگ ذرا پوز بنائیے۔ میں تصویر اُتارنا چاہتا ہوں۔ آپ میں سے دو اس صندُوق کے دائیں بائیں۔ کھڑے ہو جائیں اور ایک اس

کے پیچھے۔ اور ہاں، یہ لیجیے رومال۔ ذرا صندُوق پر سے مٹّی صاف کر دیجیے۔ مجھے اس پر کچھ لکھا ہوا نظر آ رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ تحریر بھی فوٹو میں آ جائے۔“

عاقِب نے رومال لے کر ٹرنک پر سے گرد جھاڑی اور اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ ٹرنک پر لکھا ہوا تھا:

بہرام جادُو گر

صندُوق کہاں گیا!

صندُوق ڈِکّی میں رکھ کر تینوں سُراغ رساں کار میں بیٹھ گئے اور اللہ داد واپس چل پڑا۔

عاقِب نے کہا۔ ”اس میں تو بڑا سا تالا لٹک رہا ہے۔“

”تو کیا ہوا؟“ عنبر نے کہا۔ ”خالہ کے پاس بہت ساری چھوٹی بڑی چابیاں ہیں۔ ہم ان سے تالا کھولنے کی کوشش کریں گے۔“

”یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ تالا جادو کا ہو۔ آخر ٹرنک بھی تو جادُوگر کا ہے۔“

نسیم نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بہر حال، ہم تالا کھول ہی لیں گے۔ اور نہ کھلا تو ہتھوڑی کے ایک دو وار کافی ہوں گے۔"

راستے بھر یہ لوگ اسی قسم کی باتیں کرتے رہے۔ گھر پہنچتے ہی اللہ داد اجازت لے کر چلا گیا اور تینوں سُراغ رساں صندُوق اُٹھا کر اندر چلے گئے۔ وہ چاہتے تھے کہ جلدی سے اُسے کھول کر دیکھیں کہ آخر اس کے اندر ہے کیا!

"اُفوہ! خُدا تم پر رحم کرے۔ یہ تم کیا لے آئے؟" عنبر کی خالہ نے پوچھا۔

"یہ ایک صندُوق ہے۔" عنبر نے بڑی سادگی سے کہا۔

"ارے، وہ تو مجھے بھی نظر آ رہا ہے۔ میں پوچھتی ہوں کہ یہ لائے کہاں سے ہو اور کیوں لائے ہو؟"

"لائے تو لاہور سے ہیں اور کیوں کا جواب یہ ہے کہ بس یوں ہی۔" عنبر

نے کہا۔ ”سستا مل گیا ہے، صرف دس روپے میں۔“

”دس روپے میں یہ کباڑ لائے ہو؟“ خالہ جان نے کہا۔ ”لا حول۔۔۔۔۔“ وہ پڑھنے ہی لگی تھیں کہ ان کی نظر بہرام جادُوگر پر پڑ گئی۔ وہ بے ساختہ سر پر ہاتھ مار کر بولیں۔ ”افّوہ عنبر! یہ سُراغ رسانی کا شوق کیا کم تھا کہ اب جادوگری کا روگ لگا لیا۔“

”یہ بات نہیں خالہ بان۔ دراصل ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس میں کیا ہے۔“

”اور اب اسے کھولنے کے لیے چابی کی تلاش ہے۔“ عاقِب نے کہا۔ ”آؤ میرے ساتھ۔ میں اندر سے ڈھونڈ کر دیتی ہوں۔“

خالہ جان نے عاقِب کو اپنے ساتھ لیا اور اندر چلی گئیں۔ چند لمحے بعد عاقِب چابیوں کا ایک بڑا سا گچھا لے کر آ گیا اور عنبر نے بے تابی سے ایک ایک چابی آزمانا شروع کی۔ وہ دس پندرہ منٹ لگا رہا لیکن تالا نہ کھلا۔ تب اس نے تھک ہار کے گچھا زمین پر ڈال دیا۔

”اب۔۔۔۔۔اب ہم کیا کریں؟“ عاقِب نے کہا۔

”کرنا کیا ہے۔“ نسیم نے جھنجھلاتے ہوئے بولا۔ ”میں ہتھوڑی لے کر آتا ہوں۔“ عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ تالے کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

”اب کیا اسے منتر پڑھ کر کھولو گے؟“ نسیم بولا۔

عنبر کو ہنسی آ گئی۔ اتنے میں خالہ جان کی آواز آئی۔ ”عنبر، نسیم، عاقِب! کھانا ٹھنڈا ہوا جا رہا ہے۔“

تینوں سُراغ رساں چُپ چاپ اُٹھ کر اندر چلے گئے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ خالہ جان کھانا دوبارہ گرم نہیں کرتیں۔ وہ جھٹ پٹ اندر جا کے کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔

آج چھٹّی کا دن تھا، اس لیے خالُو جان کی دکان کریم انٹرپرائز بند تھی لیکن وہ صبح ہی سے کسی جگہ سامان لینے گئے ہوئے تھے اور خالہ جان عنبر، نسیم اور عاقِب کے ساتھ کھانا کھا رہی تھیں۔ اچانک وہ بولیں:

”ارے ہاں عنبر، یاد آیا۔ بیٹھک کی کرسیوں پر وارنش ہونے والی ہے۔ کل تمہارے خالُو وارنش کا ایک ڈبّا لے آئے تھے۔ کھانے سے فارغ ہو کر کر دینا۔“

”خالہ جان، وہ۔۔۔۔“عنبر نے کہنا شروع کیا۔ مگر خالہ نے اس کی بات بیچ ہی میں کاٹ دی اور بولیں۔ ”کوئی یہ اور وہ نہیں چلے گی۔ میں جانتی ہوں تم کہو گے۔ وہی جادُوگری والا صندُوق۔ ہیں نا؟ تم کل صبح اطمینان سے کھول کر دیکھ لینا۔“

”جی بہتر۔“عنبر نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ خالہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں۔ صندُوق تو اب وہ خرید ہی چکے ہیں۔ آج نہ سہی تو کل اسے کھول کر دیکھ لیں گے۔ وہ اپنی اتنی اچھی خالہ کو ناراض نہیں کر سکتا تھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر تینوں دوست صحن میں بیٹھ کر کُرسیوں پر وارنش کرنے لگے۔ انہیں وقت گزرنے کا پتا اس وقت چلا جب خالُو کریم اندر

آئے اور بولے۔ ”یہ سب لوگ کہاں چلے گئے؟ اِدھر آؤ ایک خبر سُناؤں۔“ خالہ اور لڑکے جھٹ پٹ اُن کے پاس پہنچے۔ انہوں نے دیکھا کہ خالُو اخبار ”اتّفاق“ لیے بیٹھے ہیں جس کے صفحے پر تین سُراغ رسانوں کے بارے میں خبر اور صبح خریدے جانے والے صندُوق کے ساتھ اُن کی تصویر چھپی ہوئی تھی۔ اخباری نمائندے نے خبر کو خوب چٹ پٹا بنا کر لکھا تھا۔ دو کالم میں یہ سُرخی جمی ہوئی تھی:

”ننھے سُراغ رساں پُراسرار صندُوق لے گئے!“

خبر میں باقی باتیں تو صحیح تھیں، آخر میں یہ بھی لکھ دیا گیا تھا کہ ننھے سُراغ رساں کا خیال ہے کہ صندُوق میں سے ہیرے جواہرات نکلیں گے۔

”یہ ہم نے کب کہا تھا؟“ نسیم نے کہا۔

”بات تو نیلام کرنے والے نے کہی تھی۔“ عاقِب بولا۔ ”اب اخبار والوں نے اسے ہم پر چپکا دیا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے ہم بے وقوف ہوں۔ بھلا کسی جادُوگر کے ٹرنک میں ہیرے جواہرات کیسے ہو سکتے ہیں؟“

”اخبار والے تو عام خبر کو بھی نمک مرچ لگا کر چھاپتے ہیں۔“عنبر نے کہا۔

”اچھا بھئی، اب آ جاؤ اور گرما گرم کھانا کھا لو۔ خالہ جان نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ خالُو جان اور تینوں دوست خالہ کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے کہ عنبر نے کہا۔ ”اچھا نسیم اور عاقِب، صبح کو جلد آ جانا۔ صندُوق کھول کر دیں گے۔“

کھانا کھانے کے بعد نسیم اور عاقِب نے اجازت لی اور اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ عنبر، خالہ اور خالُو اپنے اپنے بستر پر لیٹ گئے۔ عنبر کے دل میں رہ رہ کر یہی سوال پیدا ہو رہا تھا کہ بہرام جادُوگر کے اس صندُوق میں کیا ہے۔ یکایک اُسے محسوس ہوا کہ جیسے لان میں کچھ آہٹ ہوئی ہو۔ اس نے خالُو کو پُکارا۔ خالُو نے بتّی جلائی اور لان کی طرف دوڑے۔ عنبر بھی اُن کے پیچھے پیچھے دوڑا۔ جوں ہی یہ دونوں باہر نکل کر لان میں داخل ہوئے دو آدمی لان کے دوسرے کنارے پر بنی ہوئی دیوار سے چھلانگ لگا کر سڑک کی طرف اُتر گئے۔ اس کے فوراً ہی بعد کسی کار کا انجن سٹارٹ ہونے کی

آواز آئی۔

اب ان کا پیچھا کرنا بے سود تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھے بھاگ چکے تھے۔

"آؤ اندر چلیں۔" خالُو نے کہا۔

عنبر اندر جانے کے لیے مُڑا ہی تھا کہ اُس کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ برآمدے جس جگہ اس نے صندُوق رکھا تھا، وہ وہاں سے غائب ہو چکا تھا!

عجیب ملاقاتی

صبح کو ناشتا کرتے ہی عاقِب تیز تیز سائیکل چلاتا ہوا عنبر کی طرف چل دیا۔
رات بھر وہ خواب ہی دیکھتا رہا کہ صبح انہوں نے بہرام جادُوگر کا صندُوق
کھولا تو اس میں سے قیمتی ہیرے نکلے۔ لیکن وہ ہاتھ میں پکڑتے ہی طوطے
بن کر پھُر سے اُڑ گئے۔

جب وہ عنبر کے گھر میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ عنبر اور نسیم باہر
دھوپ میں بیٹھے چائے پی رہے ہیں۔

”آؤ بھئی عاقِب چائے پیو۔“عنبر اُسے آتا دیکھ کر بولا۔

”کیا تم لوگ بہرام جادُوگر کا صندُوق کھول کر دیکھ چکے ہو؟“ عاقِب نے سوال کیا۔ ”کیا تھا اُس میں؟“

”صندُوق۔“ نسیم عجیب سی ہنسی ہنسا۔ ”تم کون صندُوق کی بات کر رہے ہو؟“

”ہائیں! یہ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟“ عاقِب نے حیرت سے کہا۔ ”ارے بھئی، میں بہرام جادُوگر کے صندُوق کی بات کر رہا ہوں، جو کل ہم لاہور سے خرید کر لائے تھے۔ میری امّی نے بھی کل اخبار میں اس کی تصویر دیکھی تھی اور وہ بھی یہ جاننے کے لیے بے تاب ہیں کہ اس میں سے کیا نکلا۔“

”ہر آدمی صندُوق کے بارے میں جاننے کے لیے بے تاب ہے۔“ عنبر نے چائے کی چُسکی لیتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال ہے جب وہ صندُوق ہمارے پاس تھا تو اس وقت ہمیں اسے بیچ کر منافع کما لینا چاہیے تھا۔“

”تھا؟ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔“ عاقِب نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

”عنبر کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ صندُوق ہمارے پاس نہیں ہے۔“ نسیم نے اطمینان سے عاقِب کو بتایا۔

”نہیں ہے۔“ عاقِب جھنجھلا کر بولا۔ ”نہیں ہے تو آخر گیا کہاں؟“

”چوری ہو گیا، میرے بھائی۔ رات چوری ہو گیا۔“ عنبر نے بتایا۔

”چوری ہو گیا؟“ عاقِب نے چیخ کر کہا۔ ”مگر کیوں؟ میرا مطلب ہے کِس نے چُرایا؟“

”چور نے، اور کس نے۔“ نسیم بولا۔

”ہم چوروں کو پکڑ نہ سکے۔“ عنبر نے کہا اور پھر اس نے عاقِب کو رات کا واقعہ کہہ سُنایا۔ یہی واقعہ وہ اب سے آدھ گھنٹہ پہلے نسیم کو بھی سُنا چکا تھا۔

”دو آدمیوں کو ہم نے دیوار پھلانگتے ہوئے دیکھا اور پھر وہ دونوں کسی کار یا

ٹیکسی میں سوار ہو کر بھاگ گئے۔ ظاہر ہے وہی صندُوق اُٹھا کے لے گئے ہوں گئے۔"

"آخر انہیں اِسے چرانے کی کیا ضرورت تھی؟"

عاقِب ابھی تک جھنجھلا رہا تھا۔ "تمہارے خیال میں اس صندُوق کے اندر کیا ہو سکتا تھا؟"

"میرا خیال ہے کہ چوروں نے رات اخبار میں خبر پڑھی ہو گی اور وہ یہ دیکھنے کے لیے کہ اُس میں کیا ہے، اُسے چُرا کے لے گئے۔" نسیم نے خیال ظاہر کیا۔

"اونہوں! یہ بات صحیح نہیں۔" عنبر نے کہا۔ "صرف یہ بات دیکھنے کے لیے کہ صندُوق میں کیا ہے، کوئی آدمی چوری کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ آخر چوری کرنے والے کو پکڑے جانے کا بھی تو خطرہ مول لینا پڑتا ہے۔ چوروں کو یہ علم ہو گا کہ اس میں کوئی قیمتی چیز موجود ہے۔ اب میرا جی کر رہا ہے کہ کاش! ہمارے پاس وہ صندُوق ہوتا اور ہم اسے کھول کر

دیکھتے کہ اس میں کیا ہے۔ خیر، اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت۔"

"لیکن۔۔۔۔۔۔" عاقِب نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ ایک دم چپ ہو گیا۔ خالُو کریم اُن کی طرف آ رہے تھے۔

"بھئی، مجھے ایک مقدمے میں گواہی دینے کے لیے آج ذرا عدالت جانا ہے۔ اس لیے تم لوگ دُکان پر چلے جاؤ۔"

"جی، بہت بہتر۔" عنبر نے کہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب صندُوق چلا ہی گیا ہے تو اب چاہے اُس کا دن کریم انٹرپرائز پر گُزرے یا گھر میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تینوں دوست دکان میں کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ اچانک ایک خوب صورت سی کار دکان کے عین سامنے آ کر رُکی۔ اس میں سے ایک سفید بالوں والا بوڑھا نکل کر دکان میں داخل ہوا اور بولا۔ "اخّاہ! یہ تو تم لوگ ہو عنبر، نسیم اور عاقِب! میں تم ہی سے ملنے آیا ہوں!"

”فرمایئے، ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟“عنبر نے پوچھا۔

”ابھی بتاتا ہوں کہ تم میری کیا خدمت کر سکتے ہو۔“ بوڑھے نے کہا۔ ”مجھے پتا چلا ہے کہ کل تُم نے لاہور میں نیلام گھر سے ایک صندُوق خریدا ہے۔ میں وہ صندُوق تم سے خریدنے آیا ہوں۔“

”مگر جناب، وہ صندُوق تو ہم۔۔۔۔“عنبر نے کہنا چاہا مگر بوڑھے شخص نے زور سے ہاتھ لہرا کے اس کی بات کاٹ دی اور پھر زور دے کر کہا۔ ”اب مجھے یہ نہ بتانا کہ تم وہ صندُوق پہلے ہی بیچ چُکے ہو۔ دیکھ لو، میں صبح ہی صبح آ گیا ہوں اور صرف اِسی کام سے آیا ہوں۔“

”ہم نے وہ صندُوق بیچا نہیں، جناب۔“عنبر بولا۔

”اوہ!“ بوڑھے نے لمبا سانس لیا۔ ”تب تو تم مجھ سے سودا کر سکتے ہو۔“

”لیکن جناب، وہ صندُوق۔۔۔“عنبر نے کہا۔

”ٹھہرو!“ بوڑھے نے عنبر کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اُونچی آواز میں

بولا۔ ”تم سمجھتے ہو گئے کہ میں تم سے دس روپے کا صندُوق گیارہ بارہ روپے میں لے لوں گا؟ ایسا نہیں ہے۔۔۔۔۔ یہ لو، پورے ایک ہزار روپے ہیں۔“

یہ کہہ کر اُس نے ہوا میں ہاتھ لہرایا تو اس میں نہ جانے کہاں سے نوٹوں کی گڈّی آگئی۔ نسیم، عاقِب اور عنبر حیرت سے اُسے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

”مگر جناب، آپ۔۔۔۔“ عنبر نے کہا۔

”کوئی اگر مگر نہیں چلے گی۔“ بوڑھے نے زور سے ہوا میں ہاتھ لہرایا۔ ”یہ لو، ایک ہزار نہ سہی دو ہزار سہی۔ اب تو ٹھیک ہے؟ بس اب زیادہ لالچ نہ کرنا۔“

بوڑھے کے ہاتھ ہوا میں لہراتے ہی نوٹ دُگنے ہو گئے تھے!

”آپ میری بات تو سُنیں۔“ عنبر نے عاجزی سے کہا۔ وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ صندُوق چوری ہو گیا ہے لیکن وہ اس کی بات درمیان ہی کاٹ دیتا تھا۔

"میں تمہاری بات سُننے نہیں آیا۔" بوڑھے نے قہقہہ لگایا۔ "میں تو اپنی بات سُنانے آیا ہوں۔ تم شاید سمجھتے ہو کہ اس کے اندر ہیرے جواہرات ہوں گے۔ مگر سنو! اس صندُوق کے اندر صرف جادُوگری کا سامان ہے۔ میں بہرام بازی گر کو جانتا ہوں۔ وہ میرا بڑا اچھّا دوست تھا۔"

"تھا؟" عنبر نے کہا۔ "کیا وہ اب اس دنیا میں۔۔۔۔۔۔"

"ہاں، اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔ مر چکا ہے۔" بوڑھے نے کہا۔ "اور جب میں نے کل اخبار میں اس کے صندُوق کی تصویر دیکھی تو اپنے دوست کی آخری نشانی حاصل کرنے آ گیا۔ میں بھی دراصل جادُوگر ہوں اور میرا نام رحمت خان ہے۔" بوڑھے نے نوٹوں والا بازو ہوا میں لہرایا تو ایک تعارفی کارڈ اس کے ہاتھ میں آ گیا اور نوٹ غائب ہو گئے۔ اس نے کارڈ عنبر کی طرف بڑھا دیا۔ عنبر نے کارڈ دیکھا۔ اس پر لکھا تھا:

رحمت خان، میجک ماسٹر

۴۵ پرانا قلعہ بازار۔ لاہور

”ہم آپ کا مطلب سمجھ گئے، جناب۔“ عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”آپ اپنے مرحوم دوست کی نشانی حاصل کرنا چاہتے ہیں، مگر۔۔۔“

”جب تم سمجھ گئے ہو تو پھر اگر مگر کیوں کر رہے ہو؟“ بوڑھے نے کہا۔

”اس لیے کہ ہم وہ صندُوق آپ کے ہاتھ نہیں بیچ سکتے۔ میں آپ کو اتنی دیر سے بتانے کی کوشش۔۔۔“

”اُفّوہ! پھر وہی رٹ۔ تم کہتے ہو کہ تم نے ابھی تک وہ صندُوق نہیں بیچا۔ پھر میرے ہاتھ بیچنے میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟“ اس نے ہاتھ ہوا میں لہرایا اور بہت سے نوٹ عنبر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”یہ لو۔ یہ نوٹ جادُو کے نہیں، اصلی ہیں۔ پورے پانچ ہزار ہیں۔ بس، اس سے زیادہ میں نہیں دے سکتا۔“

”لیکن وہ صندُوق۔۔۔۔“ عنبر نے بے بسی سے کہا۔

”ٹھہرو! تم اس طرح نہیں مانو گے۔“ بوڑھے نے کہا۔ ”میں تمھیں بندر بنا

دوں گا۔۔۔۔ مکھّی بنا دُوں گا۔۔۔۔ تب تم مانو گے۔"

یہ دھمکی سُن کر نسیم چیخ پڑا۔ "وہ چوری ہو گیا ہے، جناب۔ آپ نے پوری بات سُنی ہی نہیں۔ وہ صندُوق رات چوری ہو گیا ہے۔"

"کیا یہ سچ ہے؟" جادُو گر نے کہا۔

"جی ہاں، میں اتنی دیر سے یہی بات بتانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن آپ نے جملہ پورا ہی نہیں ہے دیا۔" عنبر ایک ہی سانس میں کہہ گیا۔ "وہ صندُوق رات ہی چوری ہو گیا۔"

"یہ تو بڑا بُرا ہوا۔" رحمت خان جادُو گر نے اپنے سفید بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ "مجھے کل شام ہی یہاں آ جانا چاہیے تھا۔" پھر وہ ایک لمحے چُپ رہ کر بولا۔ "آخر یہ ہوا کیسے؟"

"وہ دو آدمی تھے۔" نسیم نے کہا۔ "میرا خیال ہے اس میں کوئی قیمتی شے ہو گی تبھی تو وہ لوگ۔۔۔۔۔۔"

”ہاہاہا!“ رحمت خان نے زوردار قہقہہ لگایا۔ ”میں بہرام کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ امیر آدمی نہ تھا۔ میں نے تو میجک شو دِکھا دِکھا کے کار بھی خرید لی۔ وہ بے چارہ ایک موٹر سائیکل بھی نہیں خرید سکا۔ اس کے صندُوق میں سوائے جادُوگری کے سامان کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔“

یہ کہہ وہ رُکا اور پھر کہنے لگا۔ ”اچھا، اب میں چلتا ہوں۔ اگر وہ صندُوق کسی طرح تم لوگوں کے ہاتھ آ جائے تو فوراً مجھے بتا دینا۔ میں اس کے لیے پانچ ہزار روپے تک دے سکتا ہوں۔“

”مگر جناب، وہ صندُوق بھلا واپس کیسے آ سکتا ہے۔“ عنبر نے کہا۔

”پھر بھی۔ یاد رکھنا۔ اگر واپس آ جائے تو اسے کسی اور کے ہاتھ میں۔۔۔“

”آپ اطمینان رکھیں۔“ عنبر بولا۔ ”اگر وہ ہمیں واپس مل گیا تو اس پر سب سے پہلے آپ ہی کا حق ہو گا۔“

”شاباش! تم بہت اچھے لڑکے ہو۔ یہ لو ہتھنی کا انڈا۔ یہ تمہارا انعام ہے۔“

رحمت خان نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک بڑا سا انڈا نکالا اور عنبر کی طرف اچھال دیا۔ لیکن وہ عنبر کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی ہوا میں غائب ہو گیا۔

"اوہ!" رحمت خان نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "میں تو بھول ہی گیا تھا۔ ہتھنی کے انڈے بھلا کہاں ہوتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ جلدی سے باہر نکلااور کار میں بیٹھ کر چلا گیا۔ ان تینوں دوستوں کا خیال تھا کہ شاید رحمت خان کی کار ہوا میں اُڑ جائے گی یا غائب ہو جائے گی۔ مگر کچھ بھی نہ ہوا۔ وہ کار کو اس وقت تک دیکھتے رہے جب تک وہ نظروں سے غائب نہ ہو گئی۔

"سناؤ بھئی سُراغ رسانو،!"تینوں سُراغ رساں یہ فقرہ سُنتے ہی حیران رہ گئے۔ ان کے سامنے اخبار اتّفاق کا نمائندہ کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"آپ کب آئے؟"

"بس ابھی ابھی اور یہ جاننے کے لیے آیا ہوں کہ اس صندُوق میں سے کیا نکلا؟" وہ مُسکراتے ہوئے بولا۔ "میرا خیال ہے آج بھی مجھے کوئی اچھی خبر

مل جائے گی۔ ٹھہرو! میں ہی کیوں نہ بتا دوں کہ تم لوگوں کو صندُوق میں کیا ملا۔ تمہیں اس میں سے ملی ہو گی ایک گنجی کھوپڑی جو باتیں کرتی ہے!"

صندُوق کی واپسی

"گنجی کھوپڑی؟" عنبر، نسیم اور عاقِب ایک دم چلّائے۔ اخباری نمائندے نے گردن ہلا دی۔

"ہاں، لیکن تم یہ سُن کر حیران کیوں رہ گئے؟ کیا تمھیں وہ کھوپڑی نہیں ملی؟"

"نہیں۔" عنبر نے کہا۔ "لیکن اس کی وجہ بھی آپ میری بات کاٹے بغیر ہی سُن لیں۔ وجہ یہ ہے کہ رات وہ صندُوق چوری ہو گیا۔"

”چوری ہو گیا؟“ اخباری نمائندے نے چلّا کر کہا۔ ”چلو میری خبر تو بن گئی۔ لیکن آخر چوری کیسے ہو گیا؟ میرا خیال ہے اخبار میں خبر پڑھ کر کسی کو چُرانے کا دھیان آیا ہو گا۔“

”شاید۔“ عنبر نے کہا۔ ”اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کو یہ علم ہو کہ اس میں بولتی ہوئی گنجی کھوپڑی بند ہے۔ ویسے آپ ہمیں سچ سچ بتائیں کہ کیا واقعی اس میں ایسی کوئی کھوپڑی تھی؟ میرا مطلب ہے کہ کھوپڑی بھلا۔۔۔“

”ہاں، تم یہی پوچھو گے کہ کھوپڑی بھلا کیسے بول سکتی ہے۔“ اخباری نمائندے نے کہا۔ ”یہ صرف لوگوں کا خیال ہے کہ وہ کھوپڑی بولتی ہے۔ میں اس بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔“

”لیکن آپ کو یہ کیسے پتا چلا کہ صندُوق میں کھوپڑی ہو گی؟“ عنبر نے پوچھا۔

”بھئی ہوا یوں کہ جب میں نے تمہاری تصویر جا کے دھوئی اور اس کا پرنٹ

بنایا تو اس صندُوق پر صاف الفاظ میں لکھا ہوا دیکھا: بہرام جادُوگر۔ مجھے یوں لگا کہ جیسے یہ نام جانا پہچانا ہے۔ میں اخبار کے ریکارڈ روم میں گیا جہاں ہر قسم کی پُرانی خبریں، تصویریں، فیچر اور کہانیاں ہوتی ہیں اور انہیں ترتیب سے رکھا جاتا ہے۔ وہاں میں نے بہرام جادُوگر کے بارے میں پڑھا۔ وہ ایک خاص ترکیب سے لوگوں کے سامنے کھوپڑی کو بُلواتا تھا اور کھوپڑی باتیں کرتی تھی!"

"یہ بہرام جادُوگر مرا کیسے؟" عنبر نے اچانک سوال کیا۔

"مرا؟" اخباری نمائندے نے چونک کر کہا۔ "میں نے کب کہا کہ وہ مر گیا۔ مگر ہاں، وہ شاید مر ہی گیا۔ اب سے ایک سال پہلے وہ پُراسرار طور پر غائب ہو گیا۔ یہ کسی کو بھی پتا نہ چل سکا کہ اس کا کیا بنا مگر ایک دن وہ اپنے ہوٹل سے نکلا اور واپس نہ پہنچا۔ اب جب کل اس صندُوق پر بہرام جادُوگر کا نام میں نے دیکھا تو میں سمجھ گیا کہ اس نے اندر جادُو کے کرتبوں کا سامان ہو گا اور اس میں سب سے زیادہ اہم اس کی بولتی ہوئی کھوپڑی

تھی۔ اسی لیے میں تم سے صندُوق کے بارے میں پوچھنے آیا تھا۔ اچھا، خیر۔۔۔۔"

"ایک منٹ جناب؟" عنبر نے ہونٹ مسلتے ہوئے کہا۔ "آپ نے تو کہا کہ بہرام جادُوگر اُڑن چھُو ہو گیا۔"

"یہ تو سارا قصّہ پُراسرار سا ہوتا جا رہا ہے۔" نسیم نے کہا۔ "پُراسرار طور پر غائب جادُوگر اور اب پُراسرار طور پر غائب ہونے والا اس کا صندُوق۔۔۔! اور اب آپ کے کہنے کے مطابق بولتی ہوئی کھوپڑی!"

"بہر حال، اب جب کہ صندُوق غائب ہو چکا ہے، اس معاملے میں کچھ نہیں کر سکتے!" عاقِب نے کہا۔ "اس لیے اس قصّے کو بس یہیں ختم سمجھو۔"
"قصّہ تو ختم ہے ہی۔" عنبر نے کہا۔ "لیکن میں پھر بھی بہرام جادُوگر کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا ہوں۔"

"جو کچھ اس کے بارے میں مجھے معلوم ہے، میں ابھی تم لوگوں کو بتائے دیتا ہوں۔" اخباری نمائندے نے کہا۔ "بہرام ایک عام سا جادُوگر تھا۔

اسکولوں اور اس قسم کی دوسری جگہوں پر وہ اپنے جادُو کے کرتب دکھایا کرتا تھا۔ اس نے کئی لمبے لمبے زرق برق چُغے سلوا رکھے تھے جنہیں وہ ایسے موقعوں پر پہنا کرتا تھا۔ اس کے پاس ایک کھوپڑی بھی تھی جو لوگوں کے سوالوں کا جواب دیتی تھی۔"

"کیا آپ نے بہرام جادُوگر۔۔۔۔۔" عنبر سوال کرنے لگا تھا کہ اخباری نمائندے نے پہلے ہی اس کا جواب دے دیا۔ وہ جلدی سے بولا۔ "نہیں مجھے اس کے کرتب دیکھنے کا اتّفاق نہیں ہوا۔ بہرحال، لوگوں کا کہنا تھا کہ کھوپڑی اُن کے سوالوں کا جواب دیتی تھی۔"

"میں نے سنا ہے کہ بعض لوگ اپنے ہونٹ ہلائے بغیر باتیں کر سکتے ہیں۔ بہرام جادُوگر کو بھی شاید یہ طریقہ آتا ہو گا۔" عنبر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ہاں، شاید۔ لیکن بعد میں ایسا بھی ہونے لگا تھا کہ بہرام جادُوگر لوگوں کے سامنے سے دُور چلا جاتا، مثلاً کسی دوسرے کمرے میں، اور کھوپڑی پھر

بھی لوگوں کے سوالوں کے جواب دیتی تھی۔"

"سچ؟" نسیم کا مُنہ کھُلا کا کھُلا رہ گیا۔

"ہاں، بالکل سچ۔ مگر یہی بات بہرام کے لیے نقصان کا باعث بنی۔ ایک بار اس نے کسی آدمی کو جوئے بازی کا مشورہ دے دیا تھا۔"

"بہرام نے؟"

"نہیں، اس کی کھوپڑی نے۔ اور تم جانتے ہو کہ جوا کھیلنا ہمارے ہاں منع ہے، اس لیے اُسے حوالات کی ہوا کھانا پڑی۔"

"پھر؟" عنبر بڑی دل چسپی سے ساری باتیں سُن رہا تھا۔

"جب وہ رہا ہو کر آیا تو کچھ دن ایک ہوٹل میں رہا اور پھر پُر اسرار طور پر غائب ہو گیا۔ ہو سکتا ہے کسی حادثے کا شکار ہو گیا ہو۔"

"رہا ہونے کے بعد اس نے کسی جگہ کرتب دکھائے تھے۔" عنبر نے پوچھا۔

"نہیں۔ ایک دو لوگوں نے اسے بُلایا مگر اس نے کہا کہ وہ آج کل آرام کر رہا ہے۔ یُوں محسوس ہوتا ہے کہ اسے یہ پتا چل گیا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔"

"کیا اُسے کسی نے اغوا کر لیا؟" عنبر نے کہا۔

"نہیں۔" اخباری نمائندے نے کہا۔ "اگر اسے اغوا کیا جاتا، تو کسی نہ کسی طریقے سے کچھ نہ کچھ پتا چلتا۔ اصل میں رہائی کے بعد وہ کچھ بدل سا گیا تھا۔ اور۔۔۔ اچھا لڑکو، اب میں چلتا ہوں۔" وہ اچانک گھڑی دیکھ کر اٹھتے ہوئے بولا۔ "مجھے لاہور پہنچنا ہے اور آج کی خبریں لکھ کر دینا ہیں۔"

"اچھا، جناب۔" عنبر نے کہا۔ "آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ کا ہم نے بہت وقت لے لیا۔"

"نہیں کوئی بات نہیں۔ مجھے خود اس بارے میں معلومات حاصل کرنا تھیں اور اب یہ قصّہ میرے لیے اور بھی دلچسپ ہو گیا ہے۔ واہ بے چارا شمپک!"

اخباری نمائندے نے سُراغ رسانوں سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"شمپک؟" تینوں سُراغ رساں ایک دم بولے۔

" اوہ! معاف کرنا۔ میں یہ بات تم لوگوں کو بتانا بھول گیا۔ بہرام جادُوگر نے اپنی بولتی ہوئی کھوپڑی کا نام شمپک رکھا ہوا تھا۔ اچھا خدا حافظ۔"

"شکریہ، خدا حافظ۔"

"کاش ہم بھی شمپک سے ملاقات کر سکتے۔" اخباری نمائندے کے جانے کے بعد عنبر نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے کہا۔ مجھے تو اس قصّے سے دل چسپی ہو گئی ہے۔"

"بھئی، مجھے تو یہ بولنے والی کھوپڑی کچھ اچھی نہیں لگی۔ ایک تو کھوپڑی، اوپر سے گنجی اور پھر بولتی ہوئی۔" نسیم نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔

"توبہ! توبہ!"

"لیکن یہ کھوپڑی آخر بولتی کیسے ہے؟" عاقِب نے کہا۔

”شاباش!“عنبر نے عاقِب کی کمر پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ”یہ ہے سُراغ رسانوں والی بات۔ میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ اگر وہ صندُوق چوری نہ ہوتا تو ہم اس بات کا سُراغ لگاتے کہ کھوپڑی کیسے بولتی ہے۔“

”کیا بات ہے بھئی؟“ خالُو کریم نے اندر آتے ہوئے پوچھا۔ ”آج قوم کُچھ فکر مند معلوم ہوتی ہے۔ کیا کوئی نیا مسئلہ کھڑا ہو گیا؟“

”نیا تو نہیں۔“ عنبر نے جواب دیا۔ ”دراصل ہم اس صندُوق کے بارے میں سوچ رہے تھے جو رات چوری ہو گیا۔“

”کیوں؟ کیا وہ واپس آ گیا؟“

”نہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”وہ تو اب چلا گیا ہے، اب کہاں واپس آ سکتا ہے۔“

”نا بھئی نا۔“ خالُو نے گردن ہلا کر کہا۔ ”وہ ایک جادُوگر کا صندُوق تھا۔ اس کا کیا اعتبار۔ وہ آ سکتا ہے۔“

”وہ کیسے ؟“تینوں سُراغ رساں حیرت سے خالُو کی بات سُن رہے تھے۔

”وہ اس طرح کہ ہم کوئی جادُو کا منتر پڑھ لیتے ہیں۔ منتر پڑھنے سے وہ واپس آسکتا ہے۔ کوشش کر کے دیکھنے میں کیا حرج ہے ؟“

عنبر بولا۔ ”آپ تو مذاق کر رہے ہیں۔“

”نا بھی نا۔ میں مذاق نہیں کر رہا۔ اگر وہ صندُوق منتر پڑھنے سے واپس آ جائے تو اس میں مذاق کی کیا بات ہے ؟“ خالُو نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال ہے میں منتر پڑھ کے دیکھتا ہوں۔ شاید وہ آ ہی جائے۔۔۔ ہوں۔۔۔ ہوں۔۔۔ دِینا مینا دھا پا گا لا مارے طوق: آ جا رے آ جا رے آ جا، جادُو کے صندُوق !“

”کہاں آیا؟“نسیم نے کہا۔ ”شاید آپ کا منتر غلط ہو گیا۔“

”ہاں، شاید“ خالُو جان نے کہا۔ ”اچھا خیر چھوڑو۔ عنبر !“

”جی خالُو جان۔“

”ذرا تم اپنی سُراغ رسانی لڑاؤ نا۔“ خالُو جان بولے۔ ”تم نے اس بارے میں شاید سنجیدگی سے غور کیا ہی نہیں۔“

”ٹھہریے، میں سوچتا ہوں۔“ عنبر نے ہونٹ مسلتے ہوئے کہا۔ ”جب ہم یہاں آئے تو دو آدمی دیوار پر سے کود کر بھاگ گئے۔ بعد میں کار کے جانے کی آواز آئی۔ صندُوق غائب ہو چکا تھا۔ ہوں! ارے ہاں، خوب! بہت خوب! یہ تو مجھے سوجھا ہی نہ تھا۔“

”کیا؟“

”جب وہ آدمی دیوار پھلانگ کر بھاگے تو خالی ہاتھ تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ صندُوق انہیں اس وقت تک نہیں ملا تھا۔ وہ اُن کے آنے سے پہلے ہی غائب ہو چکا تھا۔“

”بہت خوب!“ خالُو جان نے داد دیتے ہوئے کہا۔ ”تم بہت اچھے سُراغ رساں ہو، بالکل صحیح نتیجہ نکالا تم نے۔ اچھا بھئی مذاق ختم۔ تم سُراغ رسانی کا مظاہرہ کر چکے اب میرا جادُو دیکھو۔ میں اب صحیح منتر پڑھوں گا اور

صندُوق سچ مُچ آ جائے گا۔"

خالُو نے آنکھیں بند کیں اور زور زور سے بولے "ڈم ڈم ڈوڈو ڈا ڈا ڈوق: بس بس اب آ جاؤ صندُوق۔"

پھر وہ آنکھیں کھول کر بولے۔ "جلدی سے مکان کے پچھلے برآمدے میں جاؤ بہرام جادُوگر کا صندُوق واپس آ گیا ہے!"

عنبر، نسیم اور عاقِب ایک دم اُٹھے اور سیدھے برآمدے میں جا پہنچے۔ بہرام جادوگر کا صندُوق سچ مُچ برآمدے میں رکھا ہوا تھا۔

آخ چھیں!

خالہ جان کمرے میں سے نکل رہی تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ تینوں سُراغ رساں گھُور گھُور کر صندُوق کو دیکھے جا رہے ہیں۔"

"ارے! یہ تمہیں کیا ہوا ہے؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا۔ "اس طرح بُت بنے اس کو کیوں گھُورے جا رہے ہو؟"

"اس لیے کہ یہ ٹرنک تو رات۔۔۔۔" عاقِب بولا۔

"ہاں، یہ تمہارے خالُو نے رات سونے سے پہلے یہاں رکھوایا تھا۔ کہنے لگے

کہ ذرا لڑکوں کو پریشان کریں گے۔“

”اوہ!“ عنبر نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ ”اور ہم سمجھتے رہے کہ چور اُسے لے گئے۔“

”تمہارے خالُو کہتے تھے کہ یہ صندُوق جادُوگر کا ہے۔ اس لیے یہاں چھپائے دیتے ہیں۔ ذرا مزا رہے گا۔“ خالُو جان ہنستے ہوئے بولیں۔ ”تم لوگوں کو پتا کیسے چلا؟“

”خالُو جان نے ہی بتایا ہے۔“ نسیم ہنستے ہوئے بولا۔ ”وہ جادُو کا منتر پڑھ کر بولے کہ جاؤ اور دیکھو، صندُوق واپس آ گیا ہے۔“

عاقِب اور نسیم ہنس رہے تھے لیکن عنبر جھنجھلا رہا تھا۔ ”میں نے رات یہ سمجھنے میں دھوکا کھایا کہ وہ آدمی صندُوق چُرا کر لے گئے۔“

”یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر بات کا انسان پہلی بار ہی ٹھیک نتیجہ نکال لے۔“ عاقِب نے کہا۔

”کوئی بات نہیں، عنبر۔“نسیم ابھی تک ہنسے جا رہا تھا۔ ”گِرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں۔ یہ مصرع تو تم نے سُنا ہی ہو گا۔“عنبر بھی مسکرا دیا۔

”اچھّا، اب یہ بتاؤ کہ رحمت خان۔۔۔۔“ عاقِب بولا۔

”اجی رحمت خان کو چھوڑو۔ پہلے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس میں کیا کچھ ہے۔“نسیم بولا۔

”ہاں، ابھی تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس میں شمپک ہے بھی یا نہیں۔“عنبر نے کہا۔

”بھئی، اب اگر سچ پوچھو تو میں کہتا ہوں کہ اس اگر میں، وہ کھوپڑی نہ ہی ہو تو اچھا ہے۔“ نسیم نے کہا۔ ”مجھے کوئی شمپک ومپک نہیں چاہیے۔“ اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

”اب اس صندُوق کو جلدی کھولو۔“ عاقِب نے کہا۔ ”ایسا نہ ہو کہ کچھ اور ہو جائے۔“

"اور تو خیر کیا ہو گا۔" عنبر نے کہا۔ "تم جا کے اندر سے ہتھوڑی لے آؤ۔"

ایک ہی منٹ میں عاقِب ہتھوڑی لے آیا۔ تالا اگر چہ خاصا زنگ آلود تھا، پھر بھی ایک ہی وار سے ٹوٹ گیا۔ عنبر نے دھڑکتے دل کے ساتھ ڈھکنا اُوپر اُٹھایا۔ سب سے پہلے اُس میں سے شوخ رنگ کے چند لمبے لمبے چغے نکلے۔ ایک کونے میں ایک پگڑی رکھی ہوئی تھی جس پر رنگ برنگے پر لگے ہوئے تھے۔

کپڑوں کے نیچے ایک تہہ ہو جانے والا پنجرا تھا۔ ان کے نیچے ایک گڈّی تاش اور کچھ کتابیں تھیں۔ یہ کتابیں جادُو کی نہ تھیں بلکہ عام ناول تھے جو بہرام جادُو گر خالی وقت میں پڑھتا ہو گا۔

"وہ بولتی ہوئی کھوپڑی کہاں گئی؟" عاقِب نے بے تابی سے کہا۔

"اچھا ہی ہے نہ ہو۔" نسیم نے کہا۔

مگر اسی لمحے عنبر نے خوشی سے کہا۔ "مل گئی! مل گئی!" اور وہ ہاتھ میں ایک

گول گول پوٹلی لے کر کھڑا ہو گیا۔ میں شرط سے کہہ سکتا ہوں کہ اس میں شمپک ہی ہو گی۔"

"کھولو!" عاقِب نے کہا۔

"نا بابا نا۔ اسے بند ہی رہنے دو۔" نسیم بولا۔

عنبر نے احتیاط سے پوٹلی کھولی۔ اس میں واقعی ایک کھوپڑی موجود تھی۔ گنجی کھوپڑی۔ کھوپڑی کے علاوہ ایک اسٹینڈ بھی تھا، جس کے بیچوں بیچ ایک گڑھا بنا ہوا تھا جو کھوپڑی کے جبڑے کے سائز کا تھا۔

"یہ اس کھوپڑی کا اسٹینڈ معلوم ہوتا ہے۔" عنبر نے کہا۔ اس نے پہلے اسٹینڈ کو زمین پر رکھا اور پھر اس پر کھوپڑی جما دی۔

"باپ رے باپ۔" نسیم چلّایا۔ "یوں لگ رہا ہے جیسے یہ کھوپڑی ابھی بول پڑے گی۔"

"بولو بھئی، شمپک!" عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر تم بول سکتے ہو تو

بولو۔"

کھوپڑی خاموش تھی!

"بولونا!" عنبر نے پھر کہا۔ "ہم جانتے ہیں کہ تم نہیں بول سکتے۔"

کھوپڑی اب بھی خاموش تھی!

"میرا خیال ہے، اسے بُلانے کا طریقہ صرف بہرام جادُوگر ہی کو آتا ہو گا۔" عاقِب نے کہا۔ عنبر نے کھوپڑی کو اسٹینڈ پر سے اٹھایا اور اسے بڑے غور سے دیکھا۔ اس میں کوئی خفیہ آلہ نہ تھا۔ تب اس نے اسٹینڈ اور کھوپڑی کو پوٹلی میں باندھ کر صندُوق میں رکھ دیا۔ وہ اس کے اُوپر چُغے رکھنے لگا تھا کہ اچانک پوٹلی میں سے ہلکی سی آواز آئی "آ آ آخ۔۔۔۔ چھیں!"

یہ چھینک شمپک کی تھی!

تینوں سُراغ رساں حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے!!

"کھوپڑی چھینکی ہے؟" عاقِب نے کہا۔

عنبر نے صندُوق میں سے کپڑے نکال کر اِدھر اُدھر ڈالے اور کھوپڑی نکال کر کہا۔ "ہاں، یہ چھینک تو شمپک ہی کی تھی۔"

"اگر یہ چھینک کھوپڑی ہی کی تھی تو میں تو چلا۔" نسیم نے کہا۔

"بے وقوف نہ بنو۔" عنبر نے کہا۔ "کھوپڑیاں بھلا کیسے چھینک سکتی ہیں۔ اس کے اندر یقیناً کچھ ہو گا۔"

یہ کہہ کر عنبر نے غور سے کھوپڑی کو دیکھا۔ اس کے اندر کچھ بھی نہ تھا۔ نہ کوئی تار، نہ کوئی ریڈیو نہ اور کچھ۔

"بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔" عنبر نے کہا۔ "اس میں تو کچھ بھی نہیں ہے، بالکل عام سی کھوپڑی ہے۔"

"میں بتاؤں؟" نسیم نے کہا جو پہلے عنبر اور عاقِب سے ذرا پرے کھڑا ہوا تھا مگر اب نزدیک آ گیا تھا۔

”بتاؤ۔“عنبر نے کہا۔”شاید اس مسئلے کا کوئی حل سمجھ میں آ جائے۔“

”میں یہ کہتا ہوں کہ یہ چھینک کی آواز گھر کے اندر سے نہ آئی ہو؟“

”تمہارا مطلب ہے کہ خالہ جان نہ چھینکی ہوں؟“عنبر نے کہا۔”نہیں۔ میں صندُوق کے بالکل نزدیک تھا۔ یہ آواز صندُوق کے اندر سے آئی تھی۔“

”تو تمہارے خیال میں اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟“

”وجہ تو اب سوچیں گے۔عاقِب!تمہاری سمجھ میں کچھ آتا ہے؟“عنبر نے پوچھا۔

”نہیں۔میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔“عاقِب نے کہا۔

”بھئی، میں تو کہتا ہوں کہ اس صندُوق کو رحمت خان جادُوگر کے ہاتھ بیچ دو۔ وہ بڑی معقول رقم دے رہا تھا۔ اس رقم سے ہم کئی کام کر سکیں گے۔“نسیم بولا۔”اور ساتھ ہی اس گنجی کھوپڑی سے بھی نجات پا لیں

گے۔"

"نا بھئی، نا۔" عنبر نے کہا۔ "ایک اچھا سُراغ رساں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتا جب تک وہ مسئلہ حل نہ کر لے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ہم ایک اچھے سُراغ رساں ہیں۔ اب ہم اپنی تفتیش کہاں سے شروع کریں؟" عاقِب نے کہا۔

"جب کوئی مُعاملہ اڑ جائے اور سمجھ میں نہ آتا ہو تو کچھ دیر انتظار کرنا چاہیے۔ اور میں یہی کرنے لگا ہوں۔" عنبر نے کہا۔ "میں یہ کھوپڑی اپنے کمرے میں لے جاتا ہوں۔ اس کے دو فائدے ہوں گے۔ ایک تو یہ چوری سے محفوظ رہے گی، اور دوسرے اگر اس نے صبح تک کچھ نہ کہا تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ چھینک کا اس سے کوئی تعلّق نہ تھا۔"

"کاش یہی ثابت ہو جائے!" نسیم نے ایسے انداز سے کہا کہ عاقِب اور عنبر کو ہنسی آ گئی۔ "مجھے تو رات بھر خواب میں گنجی کھوپڑیاں ہی نظر آتی رہیں گی۔"

شام کا کھانا کھانے کے بعد عنبر نے صندُوق کھولا اور اس میں سے کھوپڑی اور اس کا اسٹینڈ نکالا۔ ایک ہاتھ میں سینڈ اور دوسرے ہاتھ میں کھوپڑی اُٹھائے وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو خالہ اس کا بستر ٹھیک کر رہی تھیں۔

"ہائے اللہ!" خالہ کھوپڑی دیکھ کر چیخیں۔ "یہ کہاں سے لے آئے ہو تم؟"

"یہ کھوپڑی بہرام جادُوگر کے ٹرنک میں سے نکلی ہے۔"

"تو اسے یہاں کہاں لیے آ رہے ہو؟"

"میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ بولتی ہے یا نہیں؟"

"ارے پاگل ہوا ہے لڑکے!" خالہ نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ بھلا کہیں کھوپڑیاں بھی بولتی ہیں!"

"لوگ کہتے ہیں کہ یہ بولتی ہے۔ اور میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ بات سچ ہے یا نہیں۔"

"اگر یہ بولتی ہوئی تو میں اسے ایک منٹ بھی اپنے گھر میں نہ رہنے دوں

گی۔ توبہ ہے! بولتی ہوئی کھوپڑی؟"

خالہ نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔ "وعدہ کرو کہ اگر یہ بولی تو تم اسے یہاں نہ رکھو گے۔"

"اچھا خالہ جان۔" عنبر نے کہا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں۔"

خالہ کے جانے کے بعد عنبر نے لباس تبدیل کیا اور سونے کے لیے بستر پر لیٹ گیا۔ اس سے پہلے اس نے دو کام کیے تھے، ایک تو بستر سے ذرا فاصلے پر کارنس پر سینڈ اور کھوپڑی رکھ دی تھی اور پھر بتّی بجھا دی تھی۔ اس کے دل میں یہی خیال آرہا تھا کہ کھوپڑی بھلا کیسے بول سکتی ہے۔

وہ سوچتا رہا، سوچتا رہا، لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ آخر اُسے نیند آنے لگی۔ اُس وقت اُسے محسوس ہوا کہ کارنس کی طرف سے ہلکی ہلکی سیٹی بجنے کی سی آواز آرہی ہے! وہ چونک اُٹھا اور بستر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

"ک۔۔۔۔ک۔۔۔۔ کون ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"میں ہوں۔۔۔۔۔ میں!" کارنس کی طرف سے آواز آئی۔ "شمپک!"

"شمپک!" عنبر اگرچہ بڑا بہادر تھا لیکن اسے ڈر کے مارے پسینہ آ گیا۔ وہ بتّی جلانے کے لیے پلنگ سے اُٹھنے ہی لگا تھا کہ کارنس کی طرف سے آواز آئی۔ "میری بات غور سے سنو!۔۔۔۔۔ بتّی نہ جلانا۔۔۔۔ ڈرو مت۔۔۔۔ توجّہ سے سنو! سن رہے ہو نا؟" الفاظ رُک رُک کر ادا ہو رہے تھے، جیسے بولنے والا بڑی مُشکل سے بُول رہا ہو۔

"کہو، میں توجّہ سے سُن رہا ہوں۔" عنبر نے کہا۔ اب اس کا ڈر جاتا رہا تھا۔ "بہت خوب۔" شمپک نے کہا۔ "کل تم شہر کے باہر جاؤ گے، جہاں خانہ بدوشوں کے ڈیرے ہیں۔۔۔۔ بولو! جاؤ گے نا؟"

"جاؤں گا۔" عنبر نے کہا۔ "لیکن وہاں جا کر کیا کروں؟"

"وہاں جا کر تم گولُو سے ملو گے۔۔۔۔۔۔ اور اگر تمہیں اس سے ملنے میں۔۔۔۔۔ کوئی مشکل پیش آئے۔۔۔ تو تم میرا نام لینا۔۔۔۔۔ مشکل حل ہو جائے گی۔"

”لیکن یہ سب کیا ہے؟ اور تم کون ہو؟“

”میں شمپک ہوں۔۔۔۔۔ بولتی ہوئی گنجی کھوپڑی۔ میری بات یاد رکھنا۔۔۔۔۔یاد رکھنا۔۔۔۔۔ سمجھے؟“

”سمجھ گیا۔“عنبر نے کہا۔ وہ اس دوران میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کارنس کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ اس طرف جدھر کھوپڑی رکھی ہوئی تھی۔ مگر کمرے میں اتنا اندھیرا تھا کہ کچھ بھی نظر نہ آرہا تھا۔ اس نے چند لمحے انتظار کیا اور پھر بولا:

”شمپک! شمپک!“

شمپک نے کوئی جواب نہ دیا۔

عنبر نے اُٹھ کر بتّی جلائی اور کھوپڑی کو دیکھا۔ وہ چُپ تھی۔ جیسے اُس نے ایک لفظ بھی نہ کہا ہو۔ عنبر نے اُسے ہاتھ میں اُٹھا کے ایک مرتبہ پھِر غور سے دیکھا، مگر بے سود۔ تو پھر یہ آواز کہاں سے آرہی تھی! اس کی سمجھ

میں نہ آیا۔ اتنا ضرور تھا کہ شمپک نے اندھیرے میں بات ضرور کی تھی اور ایک پیغام دیا تھا۔

''کاش! شمپک روشنی میں بولتا تو میں دیکھتا کہ یہ آخر کیا چکّر ہے!'' عنبر نے مُٹھّی تکیے پر مارتے ہوئے کہا۔ ''بہرحال، صبح گولُو سے ملنا ہوگا۔ تب شاید کچھ پتا چلے۔۔۔ یہ گولُو کون ہے۔۔۔؟ اور شمپک سے اس کا کہا تعلّق۔۔۔۔۔۔ تعلّق۔۔۔۔۔ لُق۔۔۔۔۔۔۔۔ لُق۔۔۔۔۔''

نہ جانے کب وہ سو گیا۔

گولُو سے ملاقات

"تم اکیلے ہی اندر جاؤ گے؟" عاقِب نے پوچھا۔

اِس وقت عنبر، نسیم اور عاقِب شہر کے باہر خانہ بدوشوں کے ڈیروں کی طرف جارہے تھے۔ وہ اپنی سائیکلوں پر سوار تھے۔

"ہاں۔" عنبر نے جواب دیا۔ "اگر گولُو نام کا واقعی کوئی خانہ بدوش ہوا تو۔ ویسے میرا دل کہتا ہے کہ اس نام کا ضرور کوئی نہ کوئی آدمی ہو گا۔"

خانہ بدوشوں کے ڈیروں کے نزدیک پہنچ کر وہ اپنی سائیکلوں سے اُتر گئے۔

گولُو شاید کوئی بڑا مشہور خانہ بدوش تھا۔ تبھی تو پہلے ہی آدمی نے اُس کے ڈیرے کا پتا بتا دیا۔ اس خیمے کے دروازے پر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔

"میرے اندر جانے کے بعد تم لوگ اِدھر ہی کھڑے رہنا اور اگر کوئی گڑبڑ محسوس کرو تو اندر آ جانا۔" عنبر نے عاقِب اور نسیم سے کہا۔ پھر وہ خیمے کے دروازے پر بیٹھے ہوئے آدمی کے پاس گیا اور کہنے لگا۔ "مجھے گولُو سے ملنا ہے۔"

آدمی نے گھور کر عنبر کی طرف دیکھا اور بولا۔ "گولُو اندر ہے۔ مگر تم اس سے نہیں مل سکتے۔"

عنبر نے ایک لمحے کو سوچا اور پھر کہا۔ "مجھے شمپک نے بھیجا ہے۔"

"شمپک نے بھیجا ہے؟" آدمی نے کہا۔ "اچھا تو تُم اندر جا سکتے ہو۔"

"شکریہ۔" عنبر نے کہا اور دروازے پر پڑا ہوا پردہ اُٹھا کے اندر چلا گیا۔ خیمے کے اندر بھاری بھر کم جسم کی ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس کا چہرہ

گول مٹول تھا۔ وہ کوئی کپڑا کاٹ رہی تھی۔

عنبر نے حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھا مگر اسے کوئی مرد نظر نہ آیا۔

"بیٹھ جاؤ!" موٹی سی گول مٹول عورت نے کہا۔ اس کی آواز کچھ اس طرح کی تھی جیسے اس کا گلا بیٹھا ہوا ہو۔

"جی جی۔۔۔۔۔۔ مجھے گولُو صاحب سے ملنا ہے۔"

عورت ہنسی اور بولی۔ "میں ہی گولُو ہوں۔ کہو کیا کام ہے؟"

"وہ۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔ دراصل مجھے شمپک نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔"

"شمپک نے؟" گولُو نے کپڑا ہاتھ سے رکھتے ہوئے کہا۔ "شمپک تو مر چکا ہے۔"

گولُو کی بات سچ تھی۔ شمپک کھوپڑی ہی تو تھی اور جس کسی کی بھی یہ کھوپڑی ہو گی وہ یقیناً مر چکا ہو گا۔

"ہاں، وہ مر چکا ہے۔" عنبر نے کہا۔ "مگر پھر بھی اُس نے رات مجھ سے کہا

کہ میں آپ سے ملوں۔"

"تم سے کہا؟ رات؟ اچھا ٹھہرو۔" گولُو نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "میں گولے میں دیکھ کر بتاتی ہوں۔"

گولُو۔۔۔۔۔۔۔۔اور اب گولا۔۔۔۔۔یہ سب کیا ہے؟ عنبر نے سوچا۔ وہ بڑے غور سے گولُو کی ہر حرکت دیکھ رہا تھا۔ گولُو نے اُٹھ کر پلنگ کے نیچے سے ایک صندُوق نکالا اور اس میں سے شیشے کا ایک بڑا سا گولا نکالا۔ اُس نے پلنگ پر بیٹھ کر گولا اپنے پاؤں پر رکھ لیا اور کچھ عجیب سا منتر پڑھنے لگی۔ اس کے بعد وہ چُپ ہو گئی اور گولے کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر چند لمحوں بعد وہ بولی:

"لڑکے! اب تم خاموش رہنا۔ کچھ نہ بولنا۔ صرف سُنتے رہنا۔ جو کچھ مجھے اس شیشے کے گولے میں نظر آئے گا، میں بتاتی جاؤں گی۔"

"عنبر نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

”ہُوں۔۔۔۔۔۔ مجھے ایک صندُوق نظر آرہا ہے۔ بھدّا سا ٹرنک۔۔۔ اور آدمی۔۔۔ بہت سے آدمی۔ وہ سب لوگ اس ٹرنک کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ہاں وہ سب اس صندُوق کی طرف دوڑ رہے ہیں۔۔۔“

عنبر بڑی توجّہ سے سُن رہا تھا۔

”اب ایک اور آدمی نظر آرہا ہے۔۔۔ اس کا نام ٹھہرو! کیا لفظ ہے؟۔۔۔ پ۔۔۔ اُونہوں۔۔۔ ب ہاں۔۔۔۔۔۔ اس کا نام ب سے شروع ہوتا ہے۔ یہ آدمی کچھ ڈرا ڈرا سا لگ رہا ہے، اور تم سے مدد مانگ رہا ہے۔۔۔ لو۔۔۔ سب کچھ غائب ہو گیا! بالکل صاف۔۔۔۔ اب۔۔۔ دولت نظر آ رہی ہے۔۔۔ نوٹ ہی نوٹ۔۔۔ بہت سے لوگ اسے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ دولت چھپی ہوئی ہے۔ اس پر ایک دھواں یا بادل سا چھایا ہوا ہے، جس کے باعث یہ لوگ اس کو نہیں پا سکتے۔ دولت بادل میں چھُپ کر غائب ہو گئی ہے۔۔۔ لو! سب کچھ غائب ہو گیا۔۔۔ بس ایک آدمی جس کا نام ب سے شروع ہوتا ہے، رہ گیا ہے! ہائیں! یہ لو! وہ آدمی مر گیا ہے۔ پھر

بھی زندہ ہے۔ وہ انسانوں کی دُنیا میں نہیں رہا۔ مگر مُردوں کی دنیا میں بھی نہیں ہے۔ لو! گولا پھر صاف ہو رہا ہے۔"

گولُو، جو گولے پر جھُکی ہوئی کچھ دیکھ دیکھ کر بولے جا رہی تھی، پیچھے کو ہٹ گئی اور زور سے گہرا سانس لیا۔ "میں تھک گئی ہوں۔" وہ بولی۔ "گولے میں دیکھنا آسان کام نہیں ہے۔۔۔۔ بس، آج تمہیں صرف اتنا ہی بتا سکتی ہوں۔"

عنبر گولُو کی باتیں بڑے غور سے سُن رہا تھا اور اُن پر غور بھی کر رہا تھا۔

"جو کچھ میں نے کہا وہ تمہارے کچھ پلے پڑا؟" اس نے عنبر سے پوچھا۔

"ہاں، اس میں سے بعض باتیں سمجھ میں آتی ہیں، مگر بعض بالکل نہیں آئیں۔ مثلاً آپ نے صندُوق دیکھا، اور لوگ، میرے پاس ایک صندُوق ہے اور کچھ لوگ وہ صندُوق حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور آدمی جس کا نام آپ نے بتایا کہ ب سے شروع ہوتا ہے۔ وہ شخص بہرام جادُوگر ہو سکتا ہے۔"

”بہرام جادُوگر!“ گولُو نے شیشے کا گولا واپس صندُوق میں رکھتے ہوئے کہا۔
”وہ تو ہم خانہ بدوشوں کا بڑا اچھّا دوست تھا اور کچھ دِن ہوئے کہیں غائب ہو چکا ہے۔“

”لیکن آپ نے تو گولے میں دیکھ کر کہا تھا کہ وہ آدمی مر گیا ہے، پھر بھی زندہ ہے۔“ عنبر نے حیرت سے کہا۔ ”اور یہ بھی کہا کہ وہ انسانوں کی دنیا میں نہیں رہا مگر مُردوں کی دنیا میں بھی نہیں ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔“

”مطلب؟“ گولُو نے حیرت سے کہا۔ ”میں ان باتوں میں سے ایک کا مطلب بھی نہیں سمجھی۔ میں تو جو کچھ گولے میں دیکھتی رہی، تمھیں بناتی رہی۔ البتّہ تم نے کہا کہ ب سے مطلب بہرام جادُوگر ہے تو میں بہرام کی بات کرنے لگی۔ ہم خانہ بدوشوں کو وہ بڑا پسند تھا اور ہم چاہتے ہیں کہ اس کا کچھ اتا پتا چل جائے۔ ہو سکتا ہے تم اسے واپس لانے میں کام یاب ہو جاؤ۔ تم بہت عقل مند معلوم ہوتے ہو۔ تم وہ باتیں جان سکتے ہو جو اور لوگ

نہیں جان سکتے۔"

"م۔۔۔۔ مگر میں آپ لوگوں کی بھلا کیا مدد کر سکتا ہوں؟" عنبر نے کہا۔

"میں نے بہرام جادُوگر کو کبھی دیکھا تک نہیں۔ دراصل میں نے لاہور کے ایک نیلام گھر سے بہرام جادُوگر کا ٹرنک خریدا تھا اور وہیں سے یہ سارا چکّر شروع ہوا۔ اوہو! ٹھہریے!" یہ کہہ کر وہ چُپ ہو گیا اور اُنگلیوں سے ہونٹ مسلنے لگا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"رُک کیوں گئے؟" گولُو نے پوچھا۔ "کیا یاد آ گیا؟"

"کچھ نہیں۔ ایسے ہی ایک خیال آیا تھا۔ ہاں، تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں نے صندُوق کھولا تو اس میں سے ایک کھوپڑی نکلی جس کا نام شمپک ہے۔"

"میں شمپک کو جانتی ہوں۔"

"بس شمپک نے مجھے یہاں آنے کو کہا، آپ کا نام اور پتا بتایا اور میں آپ کے پاس آ گیا۔"

”ایک بڑا سفر بھی ایک قدم سے شروع ہوتا ہے۔ قطرہ قطرہ دریا بن جاتا ہے۔“ گولُو نے کہا۔ ”اپنی آنکھیں کھلی رکھو۔ بس، اب جاؤ اور اگر شمپک کچھ اور کہے تو غور سے سُننا۔ اچھّا، اب جاؤ۔“

عنبر باہر آگیا۔ خیمے سے ذرا فاصلے پر عاقِب اور نسیم کھڑے ہوئے تھے۔

”آ گئے۔“ نسیم نے کہا۔ ”ہم تو اندر آنے ہی والے تھے۔“

”ہاں، یہ نسیم طرح طرح کی باتیں کر رہا تھا۔“ عاقِب نے کہا۔ ”یہ کہہ رہا تھا، اس نے سُنا ہے کہ بعض خانہ بدوش آدم خور بھی ہوتے ہیں۔“ عنبر یہ سُن کر ہنسا اور بولا۔ ”بھئی صرف حبشیوں کے بعض قبیلے آدم خور ہوتے ہیں، اور تم جانتے ہو کہ خانہ بدوش ایک علیحدہ قوم ہیں۔“

”چھوڑو اس ذکر کو۔ تم یہ بتاؤ کہ گولُو ملا؟“ عاقِب بولا۔ عنبر کو ایک دم ہنسی آگئی۔

”اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟“ عاقِب نے کہا۔ ”میں نے یہی تو پوچھا ہے

کہ گولُو ملا؟"

"ملا نہیں۔" عنبر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ملی تھی۔"

"پھر تم اتنی دیر اندر کیا کرتے رہے؟"

"اوہ!" عاقِب سمجھ گیا۔ "پھر اس نے کیا کہا؟"

"یہ معاملہ کچھ زیادہ ہی پُراسرار ہو گیا ہے۔" عنبر نے کہا۔ "اس نے شیشے کے ایک گولے میں دیکھ کر مجھے بتایا کہ۔۔۔۔"

اور جب عنبر پورا قصّہ سُنا چکا تو عاقِب بولا۔ "پھر تُم نے کیا سوچا؟"

"ایک بات میرے دماغ میں آتی ہے۔" عنبر نے کہا "اور وہ ہمیں گھر جا کر دیکھنا ہو گی۔"

"کیا؟"

"شاید بہرام جادُوگر کے صندُوق میں دولت ہو۔ نوٹ ہی نوٹ۔ کسی کپڑے میں بندھے ہوئے۔ کسی چغے کے اندر سِلے ہوئے۔"

”وہ دو چور، نیلام گھر والی عورت اور رحمت خان جادُو گر، شاید اس ٹرنک میں چھپی ہوئی دولت کے بارے میں جانتے ہوں گے۔ تبھی تو وہ اس صندُوق کے پیچھے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔“نسیم نے کہا۔

تینوں لڑکے باتیں کرتے ہوئے خانہ بدوشوں کے ڈیرے سے دُور آ گئے تھے اور شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ وہ تیز تیز پیر مار رہے تھے اور اُن کی سائیکلیں ہوا سے باتیں کر رہی تھیں کہ اچانک اُنہوں نے محسوس کیا کہ ایک اور سائیکل بھی اُن ہی جیسی رفتار سے اُن کے پیچھے پیچھے آ رہی ہے۔ اس پر دو آدمی سوار تھے۔ یہ بات پہلے عنبر نے محسوس کی تھی اور پھر نسیم اور عاقِب کو بتائی۔ عنبر نے شبہے کی تصدیق کرنے کے لیے سائیکل کی رفتار کم کر دی۔ اُسی لمحے پچھلی سائیکل کی رفتار بھی کم ہو گئی۔ اس سے عنبر کو یقین ہو گیا کہ ان لوگوں کا پیچھا کیا جا رہا ہے۔

لیکن سائیکل سوار اب انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے، کیوں کہ اب شہر کی آبادی شروع ہو چکی تھی۔ عنبر نے اپنی سائیکل کی رفتار بڑھا دی۔

نسیم اور عاقِب پہلے ہی آگے آگے جا رہے تھے۔ پچھلے سائیکل سوار نے بھی اپنی رفتار بڑھا دی۔

جب یہ تینوں گھر پہنچے تو سائیکل سوار اُن سے آگے نِکل کر ایک سڑک پر مُڑ گیا۔

گھر پہنچتے ہی تینوں سُراغ رسانوں نے صندُوق کھولا، اور ایک ایک چیز کا اچھی طرح معائنہ کیا، مگر وہاں نوٹ تو کُجا ایک پیسا تک نہ تھا۔

عجیب خط

"نکال لو دولت۔ نوٹ ہی نوٹ۔" نسیم نے کہا۔ "تم یہ بھول گئے کہ گولُو نے یہ بھی تو کہا تھا کہ یہ نوٹ بادل میں چھُپے ہوئے ہیں۔"

"اوہ!" عنبر کا مُنہ لٹک گیا۔ جب اُسے اپنی کسی غَلَطی کا احساس ہوتا تھا تو اس کا منہ لٹک جاتا تھا۔ "یہ تو میں بھُول ہی گیا تھا۔"

"البتّہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس صندُوق میں کوئی بادل چھُپا ہوا ہو۔" نسیم نے ہنستے ہوئے کہا۔

”تم نے مذاق ہی مذاق میں بڑے کام کی بات کہہ دی۔“ عنبر نے کہا۔ ”اس صندُوق میں اگر دولت نہیں ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی سُراغ ضرور موجود ہو گا۔“

”مگر تم پھر جوش میں ایک بات بھولے جا رہے ہو۔“ عاقِب بولا۔

”کیا؟“ عنبر نے پوچھا۔ ”کیا گولو کی بتائی ہوئی ہر بات صحیح ہو سکتی ہے؟“

”اس بارے میں مَیں کچھ کہہ نہیں سکتا۔“ عنبر نے کہا۔ ”سارا معاملہ پُراسرار سا ہوتا جا رہا ہے۔ کچھ باتیں گولُو نے سچ بتائی ہیں اور کچھ کا ہمیں پتا نہیں۔ اگر ہم اس کی ہر بات غَلَط سمجھیں تو یہ بھی غَلَط ہے۔ آخر اس نے یہ بھی تو بتایا تھا کہ صندُوق اُسے نظر آیا ہے۔ ب شروع ہونے والا ایک آدمی۔۔۔۔ اور۔۔۔“

”نوٹ ہی نوٹ۔“ نسیم پھِر ہنسا۔ ”بادل میں چھُپے ہوئے۔“

”ہاں۔ میرا خیال ہے کہ اس صندُوق میں کہیں نہ کہیں نوٹوں کا سُراغ

ضرور موجود ہو گا۔" یہ کہہ کر عنبر نے کپڑے وغیرہ نکال کر جھاڑنا شروع کر دیے۔ پھر اس نے صندُوق اُلٹا کر کے جھاڑا، مگر اُس میں سے کچھ نہ نکلا۔ اس نے مایوس ہو کر صندُوق کو پھر سیدھا رکھ دیا اور نیچے بیٹھ کر اُس کے اندر غور سے دیکھنے لگا۔

وہ ایک دو منٹ تک اس کے اندر دیکھتا رہا اور پھر اچانک زور سے بولا۔ "مِل گیا۔"

اس کے ہاتھ میں تہہ کیا ہوا ایک لفافہ تھا۔

"یہ کہاں چھپا ہوا تھا؟" عاقِب نے پوچھا۔

"صندُوق کے ڈھکنے کے اندر۔" عنبر نے جواب دیا۔ اس نے بڑی بے صبری سے لفافہ کھول کر دیکھا۔ اس کے اندر سے ایک کاغذ نکلا، جس پر لکھا تھا:

جیل ہسپتال، راج پور۔

۱۵ فروری۔

پیارے بہرام، سلام۔

مجھے اُمّید ہے کہ تم اپنے ساتھی کمرا نمبر ۳۲ کے قیدی سیفو نادان کو نہ بھولے ہو گے۔ میں، سیفو نادان، موت کے منہ میں ہوں اور تمہیں جیل کے ہسپتال سے یہ خط لکھ رہا ہوں۔ ایسا لگتا ہے کہ میرا وقت قریب آ گیا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ میں پانچ دن اور جیوں، یا تین ہفتے تک جیتا رہوں یا دو ماہ نکال جاؤں۔ بہر حال میرے بچنے کی کوئی اُمّید نہیں۔ اب تمہیں خدا حافظ کہنے کا وقت آ گیا ہے۔ اگر تم کبھی لاہور جاؤ تو میرے چچا زاد بھائی فرید سے ضرور ملنا اور اس سے پوچھنا کہ جو کوٹ میں نے اُسے دیا تھا، وہ اُسے پسند بھی آیا یا نہیں؟ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھ سکتا۔ درد بہت شدید ہے۔

بس تم سے اتنی درخواست ہے کہ میرے مرنے کے بعد مجھے کبھی کبھار یاد کر لیا کرنا اور اُن دِنوں کو بھی جو ہم دونوں نے راج پور کی جیل کے کمرا

نمبر ۳۲ میں اکھٹّے گزارے تھے۔

فقط

تمہارا سیفو نادان۔

"یہ تو ایک عام سا خط ہے۔" نسیم نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ عاقِب اور نسیم خط پڑھنے کے لیے عنبر کے اُوپر جھکے ہوئے تھے۔

"سیفو نادان کے ساتھ بہرام جادُوگر جیل میں کچھ عرصے رہا اور سیفو نادان نے اُسے ہسپتال سے خط لکھا۔ بس۔"

"تم نے بڑی آسانی سے بس کہہ دیا۔" عنبر نے کہا۔ "بس ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ہے کہ اس خط میں سُراغ بھی ہو سکتا ہے اور نہیں بھی۔ یہ ایک عام سا خط بھی ہو سکتا ہے اور چشمِ نُور ہیرے والے خط کی طرح اس

سے دولت کا سُراغ بھی مل سکتا ہے۔"

"اس میں تو مجھے کسی دولت کا ذکر نظر نہیں آتا۔" عاقِب نے کہا۔

"لیکن ذکر ہو بھی نہیں سکتا۔" عنبر نے کہا۔ "یہ مت بھولو کہ یہ خط ہسپتال جیل سے لکھا گیا ہے، اور جیل سے بھیجے جانے والے خطوں کو ڈاک میں ڈالنے سے پہلے جیل کے افسر پڑھتے ہیں، اس لیے اس خط میں سیفو نادان یہ نہیں لکھ سکتا تھا کہ دولت یا نوٹ؟ خفیہ دولت؟"

"تم ٹھیک کہتے ہو، عنبر۔" عاقِب نے کہا۔ "اگر دولت کا کوئی وجود ہے اور واقعی کہیں پوشیدہ ہے تو اس کا سُراغ صرف اس خط سے مل سکتا ہے۔"

"عنبر، تمھیں یاد ہے کہ جب ہم چھوٹے سے ہوتے تھے تو کیا کیا کرتے تھے؟" نسیم یکایک بولا۔

عنبر کو ایک دم یاد آ گیا۔ "تم خفیہ تحریر کی بات کر رہے ہو نا؟"

"ہاں، جو ہم پیاز کے عرق اور لیموں کے رس سے لکھا کرتے تھے اور آنچ

لگانے سے وہ لکھائی نظر آ جاتی تھی۔ تمہارا مطلب ہے اس خط میں کوئی پیغام اس قسم کی روشنائی سے لکھا گیا ہے۔" عنبر نے کہا۔ "یہ ہم ابھی دیکھے لیتے ہیں۔"

عنبر نے خط کو آنچ دکھائی۔ لیکن اس پر عام لکھائی کے علاوہ اور کوئی تحریر نہ اُبھری۔

"میرا خیال ہے لفافے پر بھی تجربہ کر کے دیکھ لینا چاہیے۔" عاقِب نے تجویز پیش کی۔

"ہاں، تمہارا خیال ٹھیک ہے۔" عنبر نے کہا۔

لیکن لفافے پر بھی کوئی خفیہ تحریر نہ اُبھری۔ "بھئی میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ شمپک اور گولُو کی گپّوں پر تُم اتنا اعتبار کیوں کر رہے ہو۔" نسیم نے جھنجھلا کر کہا۔

"اگر تم غور کرو تو یہ ساری باتیں بے مقصد ہیں۔ ہر بات کا تعلّق دوسری

بات سے ہے۔ دوسری کا تیسری سے۔ اور اس طرح کڑی سے کڑی ملتی جا رہی ہے۔ بس درمیان میں سے دو ایک کڑیاں گُم ہیں۔ وہ ہاتھ آ جائیں تو منٹوں میں سارا معاملہ حل ہو سکتا ہے۔" عنبر نے کہا۔

"میرے ذہن میں ان باتوں سے ایک کہانی کا تانا بانا بن رہا ہے۔" عاقِب نے کہا۔

"سُناؤ، سناؤ۔" عنبر نے کہا۔ "ہو سکتا ہے ہمیں کوئی راہ سوجھ جائے۔"

"یہ خط بہرام نے صندُوق میں یوں ہی نہیں رکھ دیا۔ بلکہ اسے صندُوق کے ڈھکنے میں احتیاط سے چھپا دیا۔ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ وہ اس خط کو بہت اہم سمجھتا تھا۔ بہرام اور سیفو نادان راج پور جیل کے کمرہ نمبر ۳۲ میں اکٹھے رہتے تھے۔ اس لیے ان میں بے تکلّفی پیدا ہو گئی ہو گی۔ اور سیفو نادان نے بہرام کو خفیہ دولت کے بارے میں کچھ بتایا ہو گا مگر یہ نہیں بتایا ہو گا کہ وہ کہاں چھپی ہوئی ہے۔ اُس نے سوچا ہو گا کہ وقت آنے پر یہ راز وہ بہرام کو بتا دے گا۔

”اس کے بعد بہرام جادُوگر رہا ہونے کے بعد لاہور چلا گیا ہو گا، وہاں کچھ عرصے بعد اسے یہ خط ملا ہو گا جس میں دولت کا سُراغ بتایا گیا ہو گا۔ مگر جس طرح ابھی تک یہ سُراغ ہماری سمجھ میں نہیں آ سکا ہے، اسی طرح بہرام جادُوگر کی سمجھ میں نہیں آیا ہو گا۔ مگر وہ لوگ جو ہمارا پیچھا کر رہے تھے اور جنہوں نے یہ ٹرنک چُرانے کی کوشش بھی کی تھی، بہرام جادُوگر کا پیچھا بھی کر رہے ہوں گے۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اُن سے گھبرا کے بہرام جادُوگر غائب ہو گیا ہو گا۔ اب بتاؤ، یہ کہانی تمہیں کیسی لگی؟“

”بہت اچھی۔“ عنبر نے داد دیتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال ہے حقیقت یہی ہو گی یا اس سے ملتی جلتی۔“

نسیم نے کہا۔ ”لیکن تم جانتے ہو کہ ابھی تک ہمیں اس خط سے کوئی سُراغ نہیں مل سکا۔ اگر دُشمن ہمارے پیچھے محض اس سُراغ کی وجہ سے لگا ہوا ہے تو یہ بات بہت خطرناک ہے؟

”ہاں، یہ تم صحیح کہہ رہے ہو۔“ عاقِب نے کہا۔ ”وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ

ہمیں سُراغ مل گیا ہے اور در حقیقت ہمیں سُراغ نہیں ملا۔ یہ بات واقعی خطرناک ہو سکتی ہے۔"

"بہر حال، اب ہم اس معاملے کو یہیں پر نہیں چھوڑ سکتے۔" عنبر نے کہا۔ "اور کیا ہم خطروں سے ڈرتے ہیں؟" اُس نے عاقِب اور نسیم سے سوال کیا۔ دونوں نے انکار میں سر ہلا دیا۔

اُسی لمحے اندر سے عنبر کی خالہ کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔ "عنبر! عنبر! اِدھر آؤ؟"

"فی الحال تو ہمیں معاملہ یہیں چھوڑنا ہو گا۔" عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "اندر سے خالہ جان بُلا رہی ہیں اور جب وہ بُلائیں تو کوئی نہ کوئی کام ضرور ہوتا ہے۔"

جب عنبر اپنے کمرے میں گیا، جہاں سے خالہ کے پُکارنے کی آواز آئی تھی، تو اس نے دیکھا کہ وہ کھوپڑی کے پاس کھڑی ہوئی ہیں اور ان کے چہرے پر خوف کے آثار ہیں۔

”عنبر! میں کہتی ہوں اب یہ کھوپڑی میرے گھر میں نہیں رہ سکتی۔“ اُنہوں نے عنبر کو دیکھ کر غصّے سے کہا۔

”کیوں؟ کیا ہوا خالہ جان؟“

”میں اب ایک منٹ بھی اس بلا کو اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتی۔ اس نے مُجھے ہونہہ کہا ہے۔“

”میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔“ عنبر نے کہا۔ ”آپ ذرا اطمینان سے بتایئے کہ کیا ہوا؟“

”ہونا کیا تھا۔“ خالہ جان نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہارے کمرے کی صفائی کر رہی تھی۔ جب کارنس کے قریب پہنچی تو اِس کھوپڑی کو غور سے دیکھنے لگی۔ مجھے یہ بڑی ڈراؤنی لگی۔ میں نے اس سے کہا کہ تم بہت ڈراؤنی ہو۔ میں عنبر سے کہہ کر تمہیں کہیں باہر پھنکوا دوں گی۔ کھوپڑی نے میری یہ بات سن کہا ہونہہ! اب میں اسے گھر میں نہیں رہتے دوں گی۔ اسے ابھی یہاں سے لے جاؤ۔“

"اچھّا، اچھا!" عنبر نے انہیں تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی اِسے یہاں سے لے جاتا ہوں۔"

اس نے ایک ہاتھ میں کھوپڑی اور دوسرے میں اس کا اسٹینڈ اٹھایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ عاقِب اور نسیم نے پوچھا تو اس نے پوری بات انہیں بتا دی۔ "میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ مجھ سے بات کرنے کے لیے تو شمپک نے رات کا وقت چُنا اور خالہ جان کو دن دہاڑے ہو نہہ کہہ دیا۔"

"ہاں، یہ بات ہے عجیب۔" عاقِب نے کہا۔ "اب ہمیں کچھ نہ کچھ سوچنا پڑے گا۔" نسیم نے کہا۔ "میں تو کہتا ہوں کہ ہم اس کھوپڑی کو واپس صندُوق میں رکھ دیں اور یہ صندُوق۔۔۔۔۔"

"یہ صندُوق رحمت خاں میجک ماسٹر کو دے دیں۔" عنبر نے فقرہ پورا کر دیا۔ "میں خود بھی سوچتا ہوا آرہا تھا۔"

"عنبر!! عاقِب نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ تُم کیا

کہہ رہے ہو؟"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔" عنبر نے کہا۔ "یہ بھی ایک چال ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"اس طرح جو آدمی ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں، وہ ہمارا پیچھا چھوڑ کر رحمت خان کے پیچھے لگ جائیں گے اور ہمیں اُن کا پیچھا کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اس عرصے میں ہم خط کی کچھ نقلیں کرا لیں گے اور اُن پر غور کرتے رہیں گے اور اگر اس میں واقعی کوئی سُراغ پوشیدہ ہے تو شاید ہم اس تک پہنچ جائیں۔"

"ہم رحمت خان کو خط لکھ دیتے ہیں وہ یہ صندُوق لے جائے۔" عاقِب نے کہا۔

اسی لمحے گھنٹی بجی۔ عنبر دروازے پر گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے سامنے رحمت خان میجک ماسٹر کھڑا مُسکرا رہا ہے۔ "میں یہ پوچھنے آیا ہوں

کہ بہرام جادُوگر کا صندُوق اگر واپس آ گیا ہو تو۔۔۔۔"

خطرہ!

آپ اندر تشریف لایئے۔" عنبر نے کہا اور رحمت خان کو اندر لے آیا۔

"یہ رہا آپ کا صندُوق، میرا مطلب ہے جو آپ کا ہو گیا ہے۔"

"اور یہ لو پیسے، وعدے کے مطابق، پانچ ہزار روپے۔" رحمت خان نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ اتنے پیسے نہ دیں۔" عنبر نے کہا۔ "ہم نے یہ صندُوق صرف دس روپے میں خریدا تھا اور دس ہی روپے میں بیچ رہے ہیں۔"

نسیم نے اس کے کہنی ماری اور عاقِب کھنکارا، مگر عنبر پر کسی بات کا اثر نہ ہوا۔

"یہ لو دس روپے۔" رحمت خان نے اپنا ہاتھ کوٹ کی جیب سے نکالتے ہوئے کہا۔ اس کا ہاتھ خالی تھا۔ اُس نے اُسے نسیم کے کان کی طرف بڑھایا اور اُس کے کان کو چھوتے ہی ہاتھ میں دس روپے کا نوٹ آ گیا۔ "ڈرو نہیں، اصلی ہیں۔"

عنبر نے ہاتھ بڑھا کے دس روپے لے لیے اور صندُوق رحمت خان کے حوالے کر دیا۔

"یہ تو سارا کام گڑبڑ ہو گیا۔" جادُوگر چلا گیا تو عنبر نے کہا۔

"ہاں، ہمیں اس کا پیچھا کرنے کی مہلت بھی نہ ملی۔" عاقِب نے کہا۔

"میرا پروگرام یہ تھا کہ ہم اللہ داد سے مرسیڈیز کار منگوا لیتے اور جوں ہی رحمت خان ٹرنک لے کر روانہ ہوتا تو ہم ذرا فاصلے سے اس کا پیچھا کرنا

شروع کر دیتے۔"

"ہاں، یہ پروگرام بہت اچھا تھا۔" نسیم نے کہا۔ "مگر خیر اب جو ہوا سو ہوا۔ ہمارے پاس رحمت خان کے گھر کا پتا تو معلوم ہے ہی۔ مناسب وقت پر وہاں جا کر حالات کا جائزہ لے لیں گے۔ مگر عنبر! وہ خط۔۔۔۔۔ وہ خط بھی تو ٹرنک کے ساتھ چلا گیا!"

"نہیں۔" عنبر نے خط اور لفافہ جیب سے نکالتے ہوئے کہا۔ "یہ رہا وہ خط۔ اگر ہمیں اس کی نقلیں کرانے کی مہلت مل جاتی تو میں اصلی خط صندُوق میں رکھ دیتا۔"

اسی وقت خالہ جان نے اُن سب کو کھانا کھانے کے لیے آواز دی۔ خالُو بھی میز پر موجود تھے۔ خالہ نے عنبر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "سناؤ!"

"وہ ٹرنک ہم نے ایک صاحب کے ہاتھ بیچ دیا ہے، کھوپڑی سمیت۔ اب تو آپ خوش ہیں؟" عنبر نے خالہ سے کہا۔

”ہاں میں خوش، میرا خدا خوش۔“

کھانے کے بعد خالہ جان نے کہا۔ ”اب تم لوگ تھوڑی دیر کے لیے آرام کرلو، پھر میں تمہیں ایک کام پر لگاؤں گی۔“

”بہت اچھّا۔ ہم ہیڈ کوارٹر جا رہے ہیں۔ جب آپ کو ضرورت ہو، بُلا لیجئے۔“

تینوں سُراغ رساں ہیڈ کوارٹر میں پہنچ گئے اور اس بات پر غور کرنے لگے کہ رحمت خان کا پیچھا کرنے والوں کا پیچھا کس طرح کیا جانا چاہیے۔ عنبر کے ذہن میں کچھ اور ترکیب تھی، نسیم کچھ اور کہہ رہا تھا اور عاقِب کا مشورہ اور تھا۔ ایک مرتبہ پھر خط پڑھا گیا اور اس کے الفاظ پر بھی غور کیا گیا مگر ابھی وہ کوئی فیصلہ نہ کر پائے تھے کہ اچانک خالُو جان نے انہیں بُلایا۔ ”عنبر، عاقِب اور نسیم کوئی صاحب تم سے ملنے آئے ہیں۔“

عنبر، نسیم اور عاقِب باہر آئے تو انہوں نے دیکھا کہ پولیس انسپکٹر اُن کا انتظار کر رہا ہے۔ وہ انہیں دیکھ کر کہنے لگا۔ ”میں تم لوگوں سے چند سوال

کرنے آیا ہوں؟"

"سوال؟" عنبر نے کہا۔ "فرمایئے؟"

"تم نے کچھ دیر پہلے ایک صندُوق رحمت خان جادُوگر کے ہاتھ بیچا تھا؟"

"جی، بالکل۔"

"وہ صندُوق اس کے لیے مُصیبت کا باعث بن گیا۔ جب وہ اسے لے کر لاہور روانہ ہوا تو ایک کار اس کے پیچھے لگ گئی اور شہر کے باہر اُس کار نے رحمت خان کی کار کو پیچھے سے ٹکّر ماری۔ رحمت خان زخمی ہو گیا۔"

"زخمی ہو گیا؟"

"جی ہاں۔ اور اب وہ ہسپتال میں داخل ہے۔ اُسے زخمی کرنے والے اُس کی کار میں سے صندُوق نکال کر بھاگ گئے۔"

"گستاخی معاف، کیا وہ دو آدمی تھے؟" عنبر نے پوچھا۔

"ہاں، مگر تمھیں کیسے پتا ہے کہ وہ دو تھے؟" انسپکٹر نے حیرت سے پوچھا۔

”آج صبح جب ہم خانہ بدوشوں کے ڈیرے سے واپس آرہے تھے تو ہم نے دو آدمیوں کو اپنا پیچھا کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے یہ وہی دو آدمی ہوں گے۔“ عنبر نے کہا۔

”میں نے رحمت خاں سے پوچھا کہ اس صندُوق میں کیا تھا کہ دُشمنوں نے اسے جان سے مارنے سے بھی گریز نہ کیا، مگر وہ بتانہ سکا۔“

”اس بے چارے کو مہلت ہی نہ ملی کہ وہ دیکھتا کہ اُس میں کیا کچھ ہے۔“ عاقِب بولا۔

”میں اسی لیے تم لوگوں کے پاس آیا ہوں تاکہ تم مجھے اُس کے بارے میں جو کچھ بھی جانتے ہو، بتادو۔“

”بہتر جناب۔“ عنبر نے کھنکارتے ہوئے کہا۔ ”زیادہ تر تو اُس میں کپڑے ہی تھے یا جادُو کا سامان۔ اصل چیز ایک تھی؟“

”کیا؟“

”بولنے والی گنجی کھوپڑی؟“

”گنجی کھوپڑی؟ بولنے والی؟“

”جی ہاں۔“ عنبر نے کہا۔ ”یہ صندُوق دراصل ایک جادُوگر کا تھا جس کا نام بہرام تھا اور جو۔۔۔۔۔“ عنبر نے شروع سے لے کر آخر تک ساری کہانی پولیس انسپکٹر کو کہہ سنائی۔

”یہ تو بڑی عجیب کہانی ہے؟“ انسپکٹر نے کہا۔ ”میرا خیال ہے تُم نے خواب دیکھا ہوگا کہ کارنس پر رکھی ہوئی کھوپڑی بول رہی تھی۔“

”میں بھوت پریت اور کھوپڑی کے بولنے پر یقین نہیں رکھتا، مگر یہ کھوپڑی میرے جاگتے ہی میں مجھ سے باتیں کر رہی تھی۔ اور خالہ جان کو دن دہاڑے اس نے ہُو نہہ کہا تھا۔“

”میں نہیں مان سکتا۔“

”مانتا میں بھی نہیں جناب، مگر حیرت ناک بات یہ ہے کہ جب میں آج صبح

کھوپڑی کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچا تو وہاں واقعی گولُو نام کی ایک گول مٹول سی عورت تھی جس نے شیشے کے گولے میں دیکھ کر مجھے کچھ حالات بتائے۔"

"ہاں، وہ تو تم ابھی ابھی بتا چکے ہو۔ میرا خیال ہے گولُو کو کچھ اور معلومات بھی ہوں گی جو اس نے تمھیں نہیں بتائیں۔ اس کا حلیہ اور اُس کا کام کافی پُراسرار سا ہے۔"

"جناب، یہ سارا معاملہ ہی پُراسرار ہے۔" نسیم نے کہا۔ "کیا تم تینوں میرے ساتھ چلوگے؟ میں گولُو سے ملنا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اس سے کافی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔"

تینوں سُراغ رساں انسپکٹر کے ساتھ جیپ میں بیٹھ گئے اور پولیس کی یہ جیپ کھُلی سڑک پر دوڑنے لگی۔ عنبر راستہ بتاتا گیا۔

لیکن جب یہ لوگ اس جگہ پہنچے جہاں خانہ بدوشوں کے ڈیرے تھے تو وہاں خاک اُڑ رہی تھی۔ عنبر نے آس پاس کے آدمیوں سے پوچھا تو ایک

نے کہا پنچھی اور پردیسی کا کیا ٹھکانا۔ وہ تو خانہ بدوش تھے۔ نہ جانے اب کہاں چلے گئے ہوں گے۔ ان کا گھر تو اُن کے کاندھوں پر ہوتا ہے۔ جہاں خیمہ گاڑ لیا بیٹھ گئے۔"

انسپکٹر نے سر پیٹ لیا۔ "لو اِس سلسلے کی ایک اہم کڑی تو غائب ہو گئی!"

"ابھی ایک اور اہم کڑی باقی ہے۔" عنبر نے اپنی جیب سے سیفو نادان کا خط نکالا اور انسپکٹر کی طرف بڑھا دیا۔ اس وقت تینوں سُراغ رساں انسپکٹر کے ساتھ جیپ میں بیٹھ چکے تھے اور جیپ واپس جا رہی تھی۔

"یہ کیا ہے؟" انسپکٹر نے خط اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔ عنبر نے اُسے اس خط کا مضمون بتایا اور انسپکٹر نے تھانے میں آکر اسے دو تین بار پڑھا اور پھر عنبر کو دے دیا۔

"اس خط میں تو کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔" انسپکٹر نے کہا۔ "یہ ایک سیدھا سادہ سا خط ہے۔"

عنبر بولا۔ ”میں اس بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“

”کیا؟“

”مثلاً یہ کہ سیفو نادان کون تھا؟ اسے کس جرم میں سزا ہوئی تھی؟ وہ کہاں سے پکڑا گیا تھا؟“

”میں یہ ساری معلومات حاصل کر کے تمہیں ٹیلی فون پر بتا دوں گا۔“ انسپکٹر نے کہا۔ ”اور کوئی بات؟“

”جی نہیں۔ شکریہ۔“

”اچھا، تو اب تم لوگ جا سکتے ہو؟“

”بہتر جناب۔ خدا حافظ۔“

تینوں سُراغ رساں واپس ہیڈ کوارٹر پہنچ گئے اور اس مسئلے پر پھر سے غور کرنے لگے۔ عنبر سیفو نادان کے خط کو سیدھا سادہ خط ماننے کو تیّار نہ تھا۔ لیکن ابھی تک وہ یہ ثابت نہ کر سکا تھا کہ اس میں کوئی خفیہ پیغام پوشیدہ

ہے۔ خط پر گرما گرم بحث کے دوران ٹیلے فون کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر نے انہیں تھانے بُلایا تھا کیوں کہ عنبر کے سوالوں کے جواب اتنے مختصر نہ تھے کہ ٹیلے فون پر دیے جاسکتے۔

پندرہ منٹ کے اندر اندر تینوں سُراغ رساں پولیس انسپکٹر کے کمرے میں موجود تھے۔

"آؤ بیٹھو۔" انسپکٹر نے کہا۔ "میں نے تمہارے سوالوں کے جواب معلوم کر لیے ہیں۔"

"فرمایئے، سیفو نادان کون تھا؟" عنبر نے بے تابی سے پوچھا۔

"سیفو نادان، جیسا کہ تم جانتے ہو کچھ عرصہ بہرام جادوگر کے ساتھ جیل کی ایک کوٹھڑی میں رہا تھا، اور وہ ایک ڈاکو تھا۔"

"ڈاکو؟"

"ہاں، اس نے ایک بینک میں ڈاکا ڈالا تھا اور ایک لاکھ روپے کے نوٹ اُڑا

کر لے گیا تھا۔"

"کیا وہ پرانا پاپی تھا؟"

"نہیں بینک میں ڈاکا ڈالنے سے پہلے اس نے اور کوئی واردات نہ کی تھی اور پولیس کے پاس اس کا کوئی ریکارڈ نہ تھا۔ مگر ڈاکا ڈالتے وقت ایک آدمی نے گیلری میں سے، اُس کی فوٹو اُتار لی تھی۔"

"یہ سب کیسے ہوا؟"

"ہوا یوں کہ گیلری میں بینک کے کلرک کا ایک دوست بیٹھا ہوا تھا۔ نیچے شور مچا تو اس نے جھانک کر دیکھا اور اپنے کیمرے سے ڈاکو کی تصویر اُتار لی۔ اور یوں سیفو نادان کے خلاف ثبوت مل گیا۔"

"اسے کتنی سزا ہوئی تھی؟"

"دس سال۔"

"اور رقم کا کیا بنا؟"

”رقم کا کچھ پتا نہ چلا۔“ انسپکٹر نے کہا۔ ”پولیس نے سر توڑ کوشش کی مگر ایک پیسا تک بر آمد نہ کر سکی۔“

”اور سیفو؟“

”وہ دس سال کی قید پوری کرنے سے پہلے ہی مر گیا۔“

”ایک بات اور جناب، سیفو کو پکڑا کہاں سے گیا تھا؟“

”لاہور سے۔“

”لاہور تو بہت بڑا شہر ہے۔ میرا مطلب ہے، وہ کس گلی محلّے سے پکڑا گیا تھا؟“

”اُس وقت وہ ندیم روڈ پر اپنی بیوہ بہن کے گھر مقیم تھا۔ اس کے مکان کا نمبر ۴۵ ہے۔“

”پولیس نے۔۔۔۔۔“

”میں سمجھ گیا تم کیا پوچھنے والے ہو۔ پولیس نے اُس گھر کا کونا کونا چھان مارا

لیکن وہاں سے رقم برآمد نہ ہو سکی۔" انسپکٹر نے کہا۔ "بلکہ اس کی بہن تو یہ سُن کر بے ہوش ہو گئی تھی کہ اُس کا بھائی ڈاکو ہے۔"

"بہت بہت شکریہ، جناب۔" عنبر نے کہا۔ "اب آخری سوال رہ گیا ہے؟"

"کیا؟"

"آپ نے اتنی ساری معلومات اتنے تھوڑے سے وقت میں کیسے حاصل کر لیں؟"

"ہاہاہا!" انسپکٹر نے قہقہہ لگایا۔ "بھئی، اگر تم سوال نہ پوچھتے تو واقعی مجھے حیرت ہوتی۔ تمہارے جانے کے بعد میں نے اپنے منشی سے کہا کہ لاہور کی ٹرنک کال بُک کرادو۔ میں نے اُسے بتایا کہ مجھے سیفو نادان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہیں۔ وہ کہنے لگا کہ اُس کے بارے میں مَیں سب کچھ جانتا ہوں، کیوں کہ اس وقت میں اُسی تھانے میں تھا جس کی حوالات میں سیفو نادان کو بند کیا گیا تھا۔"

عنبر اپنا ہونٹ مسل رہا تھا۔ یہ اس کی عادت تھی۔ جب وہ کسی مسئلے پر غور کر رہا ہوتا اس کا ہاتھ خود بخود اس کے نچلے ہونٹ پر پہنچ جاتا تھا۔ اچانک وہ بولا۔ "معاف کیجیے جناب، جب راج پور کی جیل سے سیفو نادان نے بہرام کے نام خط لکھا تو اُس میں ایک آدمی فرید کا ذکر بھی تھا۔ کیا پولیس نے اُس بارے میں بھی پتا لگانے کی کوشش کی؟"

"میرا خیال ہے، نہیں۔ جو خط تم مجھے دکھا رہے ہو اس میں صرف اتنا ذکر ہے کہ لاہور میں فرید نامی کوئی آدمی رہتا ہے۔ اتنی سی معلومات پر لاہور جیسے بڑے شہر میں کسی آدمی کو تلاش نہیں کیا جا سکتا۔"

"آپ ٹھیک فرماتے ہیں۔" عنبر نے کہا۔ "میرے ذہن میں ایک بات آ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے فرید سیفو نادان کا ساتھی یا دوست ہو۔ وہ اسے چچا زاد بھائی کہتا ہے۔ اُسے کسی طرح معلوم ہو گیا ہو گا کہ بہرام کے پاس اِس قسم کا خط ہے جس میں سیفو نے اُس کے نام کوئی پیغام لکھا ہے۔"

"ہاں، ہو تو سکتا ہے۔" انسپکٹر نے کہا۔ "یہ آدمی اخبار میں تمھارے بارے

میں پڑھ کر تم سے ٹرنک چھیننا چاہتا تھا۔ آخر اُس نے رحمت خان کو زخمی کر کے ٹرنک اُڑا لیا۔ یہ بات عین ممکن ہے۔ اور ہاں، اس بات سے ایک اور خطرناک صورت پیدا ہو سکتی ہے۔"

"خطرناک!" نسیم نے چونک کر کہا۔

"ہاں، خطرناک۔ فرید یا کسی اور شخص نے وہ صندُوق اس لیے اُڑایا ہے کہ اس کے خیال کے مطابق اس میں وہ خط موجود ہے جس میں سیفو نادان نے دولت کا سُراغ بنایا ہے۔"

عنبر نے کہا۔ "یہی بات میرے دماغ میں بھی آ رہی ہے۔"

"اگر ایسا ہے تو تم لوگوں کو بہت ہوشیار رہنا ہو گا اور اپنے اِرد گرد کسی بھی آدمی پر نظر رکھنا ہو گی جو تمہارا پیچھا کرتا ہو۔" انسپکٹر نے کہا۔

تھانے سے باہر آتے وقت تینوں سُراغ رسانوں کے چہروں پر فکر کی گہری چھاپ تھی۔

سُراغ کی تلاش

"بھئی، میں تو باز آیا ایسی سُراغ رسانی سے۔" نسیم نے دونوں ہاتھ کھڑے کرتے ہوئے کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ پُراسرار لوگ ہمارا پیچھا کر رہے ہوں۔ ایسے پُراسرار لوگ جو بینک کا لوٹا ہوا ایک لاکھ روپیہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم اُس کا سُراغ جانتے ہیں۔"

"بھئی اب کے تو میں بھی گھبرانے لگا ہوں۔" عاقِب نے سنجیدگی سے کہا۔ "جب تم نے ٹرنک دس روپے میں لیا تھا تو ہم سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ یہ

بات اتنی پُراسرار بن جائے گی۔"

"گھبرانے سے کوئی فائدہ نہیں۔" عنبر نے اپنا نچلا ہونٹ انگلیوں سے ملتے ہوئے کہا۔ "گھبرانے سے کبھی کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔"

"تو پھر اس مسئلے کا کوئی حل نکالو۔" نسیم نے کہا۔

"میری سمجھ میں تو ایک بات آتی ہے۔" عاقِب نے کہا۔ "اب ہم اس مسئلے کو حل کیے بغیر نہیں چھوڑ سکتے۔ فریدیا جو کوئی بھی ٹرنک چُرا کر لے گیا ہے، وہ ہم پر نظر رکھے ہوئے ہو گا۔ اب ہمارے پاس بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔"

"کون سا طریقہ؟" نسیم نے بے تابی سے پوچھا۔

"ہم جلدی سے ایک لاکھ روپے کا سُراغ لگالیں اور پولیس کے حوالے کر دیں۔ اس کے بعد ہمیں کسی سے کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔"

"واہ وا!" نسیم ہنسا۔ "کتنی آسان بات بتائی ہے تم نے۔ بس دولت نکال کر

پولیس کے حوالے کر دیں۔ ارے بھئی، پہلے اُس کا سُراغ تو لگا لیں۔"

"گھبراؤ نہیں۔" عنبر نے کہا۔ "میں یہی سوچ رہا ہوں کہ ہم کسی طرح اس دولت کا سُراغ لگائیں۔ تبھی اس چکّر سے نکل سکتے ہیں۔"

"شروع کہاں سے کریں؟" نسیم بولا۔

"سب سے پہلے تو ہمیں یہ فرض کرنا پڑے گا کہ سیفو نادان نے ایک لاکھ روپے لاہور ہی میں کہیں چھپائے ہیں۔" عنبر نے کہا۔ "اگر اس نے لاہور کے علاوہ اور کہیں یہ رقم چھپانے کی کوشش کی ہوتی تو پولیس کے ہتّھے چڑھ جاتا۔"

"چلو، یوں ہی سہی۔" عاقِب نے بُرا سا منہ بنایا۔ "مگر لاہور کیا اتنا چھوٹا شہر ہے کہ ہم اس کا ہر گھر چھان ماریں گے؟"

"ٹھیک کہتے ہو۔" عنبر نے کہا۔ "لاہور میں سیفو نادان کے دو رشتے دار ہیں۔ ایک تو اس کی بیوہ بہن جو ۴۵ ندیم روڈ پر رہتی ہے، اور دوسرا اُس کا

چچازاد بھائی فرید۔"

"لیکن فرید کا پتا تو ہمیں معلوم ہی نہیں۔" نسیم نے کہا۔

"فرید کا پتا ہم سیفو نادان کی بہن سے پوچھ سکتے ہیں۔ وہ آخر اس کا بھی تو چچا زاد بھائی ہو گا۔ میں کنگ موٹر کمپنی کو ٹیلے فون کر کے مرسیڈیز کار منگوا لیتا ہوں۔ ہم لاہور جائیں گے۔"

"ابھی؟"

عنبر کہنے ہی والا تھا کہ ابھی کہ اسی لمحے خالہ جان کی آواز آئی۔ "عنبر، نسیم اور عاقِب! کھانا ٹھنڈا ہوا جا رہا ہے۔" تینوں سُراغ رساں ہیڈ کوارٹر سے نکل کر کھانے کے کمرے کی طرف چل پڑے۔

"میرا خیال ہے ہم کل لاہور چلیں گے۔" عنبر نے کہا۔ اُسے یاد آ گیا تھا کہ دوپہر کا کھانا کھا کے خالُو جان کچھ دیر آرام کرتے تھے اور ان لوگوں کو دکان پر ڈیوٹی دینی پڑتی تھی۔

خالُو جان اُن سے پہلے کھانے کی میز پر موجود تھے۔ وہ انہیں دیکھتے ہی بولے۔ ”بھئی تم لوگوں کے لیے ایک پیغام ہے۔“

”پیغام؟“ تینوں سُراغ رساں چوکنے ہو گئے۔ ”کیسا پیغام؟“

”بھئی پیغام ایسا ہی اُلٹا سیدھا ہے جیسی تم لوگ حرکتیں کرتے رہتے ہو۔ دراصل دو خانہ بدوش جو ایک ریڑھے میں سوار تھے، دکان پر آئے تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ لڑکوں کو ہمارا ایک پیغام دے دینا۔“

”پیغام کیا تھا؟“ عنبر نے جلدی سے پوچھا۔

”پیغام یہ تھا:

تال میں تَیرے بھوکی مچھلی، مینڈک کیا کرے

اُچھلے، کُودے باہر آئے، نہیں تو وہیں مرے۔“

تینوں سُراغ رساں چُپ چاپ خالُو جان کا منہ دیکھ رہے تھے مگر نہیں۔ خالُو کا چہرہ اس وقت سنجیدہ تھا۔ وہ مذاق نہیں کر رہے تھے۔

آخر عنبر نے کہا۔ "کیا ان خانہ بدوشوں میں کوئی عورت بھی تھی؟ گول مٹول، بھاری بھر کم سی؟"

"نہیں بھئی، دونوں ہی مرد تھے۔" خالُو نے بتایا۔ "اچھا، ذرا پیغام ایک بار پھر دُہرا دیں۔" عنبر نے کہا۔ خالُو جان نے وہی الفاظ ایک بار پھر دہرا دیے۔

"یہ تم کِن چکروں میں پڑے رہتے ہو؟" خالہ جان نے پیار سے عنبر کو ڈانٹا۔ "ان خانہ بدوشوں کے ساتھ کب سے تمہاری دوستی ہو گئی؟"

"آج سے۔" عنبر نے جواب دیا۔ مگر اس کا ذہن اب بھی پیغام کا مطلب سوچنے میں مصروف تھا۔

"عجیب ہو تم بھی۔" خالہ جان بولیں۔ "کل کھوپڑی سے سلام دُعا ہو رہی تھی، اور آج خانہ بدوشوں سے۔"

"یہ خانہ بدوش کیسے لگ رہے تھے؟" عنبر نے کہا۔ "میرا مطلب ہے کہ

ان کا رویّہ دوستانہ تھایا۔۔۔۔۔“

”بالکل دوستانہ۔“ خالُو جان نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”ان میں سے ایک ریڑھے سے اُتر کر دُکان میں آیا اور کہنے لگا کہ وہ اپنے تین ننھے دوستوں کو پیغام دینا چاہتا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ تمہاری بات کر رہا ہے۔ بہر حال، اس نے پیغام دیا اور چلا گیا۔“

”میرا خیال ہے، میں اس پیغام کا مطلب سمجھ گیا ہوں۔“ عنبر نے اعلان کیا۔ ”اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تالاب میں ایک بھوکی مچھلی موجود ہو اور وہاں ایک مینڈک بھی ہو تو۔۔۔“

”مینڈک کو چاہیے کہ اچھل کود کر باہر نکل جائے ورنہ مچھلی اُسے کھا جائے گی۔“ نسیم نے مِسمِسی سی صورت بناتے ہوئے کہا۔ ”یہی مطلب ہے تو میں بھی سمجھ گیا۔“

”بھئی، میں تو خاک نہیں سمجھا۔“ عاقِب بولا۔

"سمجھا میں بھی نہیں۔" نسیم بولا۔ "میں تو عنبر کی طرح شعر کی کیا کہتے ہیں، تش تش تشریح کر رہا تھا۔"

"اس کا مطلب یہ ہے۔" عنبر نے سمجھایا "کہ اگر اس مصیبت سے اپنی جان چھڑانا چاہتے ہیں تو ہمیں کوشش کرنا ہو گی۔"

خالُو جان نے آج انہیں دکان پر کام کرنے کے لیے نہ کہا اور عنبر نے ہیڈ کوارٹر سے کنگ موٹر کمپنی کو ٹیلے فون کر کے مرسیڈیز کار منگوالی۔

"ہم آج ہی لاہور جائیں گے۔" اس نے کہا۔ "اس پیغام کے بعد ہمیں اپنی کوشش اور تیز کر دینا ہو گی۔ ہم سیدھے ۴۵ ندیم روڈ پر جائیں گے اور سیفو نادان کی بیوہ بہن سے ملیں گے۔"

جب ۴۵ ندیم روڈ کے سامنے مرسیڈیز کار رُکی تو تینوں سُراغ رساں نیچے اُترے اور عنبر نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ چند لمحوں بعد اندر سے ایک ادھیڑ عمر کی خاتون باہر آئی اور بڑی تمیز سے بولی۔ "فرمایئے، آپ کو کِس سے ملنا ہے؟"

"ہمیں سیفو نادان کی بہن سے ملنا ہے۔" عاقِب نے کہا۔ عنبر نے اپنی جیب سے تعارفی کارڈ نکالا۔

"یہ ہمارا تعارفی کارڈ ہے۔" اس نے کارڈ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آیئے، اندر آ جایئے۔" خاتون نے کہا۔ "میں ہی سیفو نادان کی بہن ہوں۔"

"ہم ایک مُصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں۔" عنبر نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اور آپ سے کچھ مدد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"کہو، میں تمہاری مدد کرنے کو تیّار ہوں۔"

عنبر نے سارا قصّہ سُنا دیا اور آخر میں کہا۔ "اب آپ سمجھ گئی ہوں گی۔ کوئی نہ کوئی آدمی یہ سمجھتا ہے کہ بہرام جادُو گر کے صندُوق میں ڈاکے کی رقم کا کوئی سُراغ پوشیدہ ہے۔ اب چوں کہ یہ ٹرنک ہمارے پاس رہ چکا ہے، اس لیے وہ آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ یہ سُراغ ہم لوگوں نے اس میں سے نکال

لیا ہے۔ اس طرح پولیس انسپکٹر کے خیال میں ہم خطرے میں ہیں۔ اب ہم اس خطرے سے اسی طرح نکل سکتے ہیں کہ دولت کا سُراغ لگائیں اور پھر وہ دولت حکومت کے حوالے کر دیں۔"

"میں تم لوگوں کا مطلب پوری طرح سمجھ گئی ہوں۔" سیفو نادان کی بہن نے کہا۔ "پوچھو، کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"آپ اس سلسلے میں جو کچھ جانتی ہیں ہمیں بتا دیں۔" عاقِب نے کہا۔

"سب سے پہلے تو آپ یہ فرمایئے۔" عنبر نے کہا۔ "کہ یہ فرید صاحب کہاں رہتے ہیں؟"

"کون فرید صاحب؟"

"آپ کے چچازاد بھائی۔ آپ کے بھائی سیفو نادان نے اپنے خط میں اُن کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ بہرام جادُوگر کا کبھی لاہور جانا ہو تو وہ اُس کے چچا زاد بھائی فرید سے ضرور ملے۔"

”لیکن ہمارے تو کوئی چچا تھے ہی نہیں۔“ خاتون نے کہا۔ ”ہمارے والد مرحوم اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھے۔“

”شاید فرید صاحب آپ کے کسی رشتے کے چچا کے لڑکے ہوں۔ آپ ذرا غور کر کے بتایئے۔“ عنبر نے اپنا نچلا ہونٹ مسلتے ہوئے کہا۔

سیفو نادان کی بہن چند لمحے کے لیے خاموش ہو گئی۔ پھر ایک دم بولی۔ ”ہاں، ایک دُور کے چچازاد بھائی ہیں، اور ان کا نام فرید ہے۔ لیکن وہ لاہور کبھی نہیں آئے۔ پہلے وہ کراچی میں رہتے تھے اور اب کوئی آٹھ نو سال سے کینیڈا میں رہ رہے ہیں؟“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان فرید صاحب کا خط میں ذکر نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ بہرام کے نام خط میں سیفو نادان نے لکھا ہوا ہے کہ بہرام یہ بھی اُس سے پوچھے کہ اُس نے اُسے جو کوٹ دیا تھا، وہ پسند آیا یا نہیں۔“ عنبر نے کہا۔ وہ مسلسل اپنا نِچلا ہونٹ مسلے جا رہا تھا۔ پھر وہ اچانک بولا۔ ”اچھا چھوڑیے اس بات کو۔ یہ بتایئے کہ آپ کے بھائی جب پکڑے گئے تو وہ

کتنے عرصے سے آپ کے ہاں رہ رہے تھے؟"

"سیفو نادان بچپن میں بڑا بھولا بھالا تھا، اسی لیے ہم اسے نادان کہتے تھے۔
اس کا اصل نام سیف اللہ تھا جو بگڑ کر سیفو بن گیا۔ جب وہ میرے پاس آیا
تو اس نے بتایا کہ اسے نوکری سے جواب مل گیا ہے اور وہ دوسری نوکری
تلاش کر رہا ہے۔"

"معاف کیجیے، آپ کے بھائی کہاں ملازمت کرتے تھے؟" عنبر نے اچانک
سوال کیا۔

"وہ گوجرانوالہ میں کام کرتا تھا، اور وہیں رہتا تھا۔ جب اُس کی نوکری
چھوٹ گئی تو وہ میرے پاس آ کر رہنے لگا۔ لیکن اُسے رہتے ہوئے دو تین
ہفتے ہی ہوئے تھے کہ پولیس نے اُسے پکڑ لیا۔"

"اس دوران میں وہ کیا کرتے رہے؟"

"اس دوران میں اس نے زیادہ تر گھریلو کام کیے۔"

”مثلاً؟“عنبر نے کہا۔”میں ذرا تفصیل سے جاننا چاہتا ہوں۔“

”مثلاً ایک تو اس نے میرے باغیچے کو ٹھیک کیا۔ دو تین ہفتوں سے ہمارا مالی بیمار تھا، اس لیے باڑھ بڑھ آئی تھی۔ سیفو نادان نے انہیں کاٹ چھانٹ کر ٹھیک ٹھاک کر دیا۔ گلاب کی چند نئ قلمیں بھی لگائیں۔“

”اور۔“عنبر نے کہا۔”اور کچھ۔“

”اور۔۔۔ ہاں، ایک کام اور کیا۔“سیفو نادان کی بہن نے کہا۔”اس نے گھر کے دو کمروں میں دیواروں پر پھول دار کاغذ چپکایا، جسے وال پیپر کہتے ہیں۔“

”جب وہ یہاں آئے تو ان کے پاس کچھ سامان تھا؟“

”اس کے ہاتھ میں ایک بریف کیس تھا۔ لیکن ہم نے اُسے کھول کر نہیں دیکھا کہ اس میں کیا تھا۔ ہاں، جب وہ پکڑا گیا اور پولیس نے گھر کی تلاشی لی تو اس وقت انسپکٹر نے بریف کیس کھول کر دیکھا مگر وہ خالی تھا۔ بالکل

خالی۔"

"میں سمجھ گیا۔" عنبر نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "اتنا ہی کافی ہے۔"

"کیا سمجھ گئے؟"

"یہ کہ سیفو ناداں نے بینک سے جو روپے لوٹے کے وہ اس نے اسی گھر میں چھپائے ہیں!"

پُراسرار پیغام

نسیم اور عاقِب نے حیرت سے عنبر کی طرف دیکھا، لیکن سیفو نادان کی بہن کے چہرے پر حیرت کے آثار نہ تھے۔ اس نے بڑے سکون سے کہا۔ ”اس مکان میں ایک پیسہ بھی نہیں چھپایا گیا۔“

”ہاں عنبر، آخر پولیس نے بھی تو تلاشی لی ہو گی۔“ عاقِب نے کہا۔ ”اگر یہاں روپے ہوتے تو انہیں مل نہ جاتے؟“

”اس گھر میں تو میں چند ماہ پہلے ہی آئی ہوں۔“ سیفو کی بہن نے کہا۔ ”پہلے

میں اور جگہ رہتی تھی۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ سیفو نادان اس گھر میں آ کر نہیں رہا تھا؟"

"ہاں۔"

"آپ اس وقت کہاں رہتی تھیں؟"

"ہم فیروز پور روڈ پر رہتے تھے؟"

"کس جگہ؟" عنبر نے کہا۔ "میرا مطلب ہے مکان کا نمبر گلی یا محلے کا نام؟"

"یہ بتانے سے اب کوئی فائدہ نہیں۔ وہ مکان ایک سکیم میں آ گیا اور حکومت نے پیسے دے کر ہم سے خرید لیا۔ اُسی پیسے سے میں نے یہ مکان خریدا ہے۔"

"اور اس مکان کا کیا بنا؟"

"وہ مکان حکومت نے خالی ہوتے ہی گِرا دیا تھا۔ وہ لیا ہی اس لیے گیا تھا کہ اسے ڈھا کے وہاں سڑک بنا دی جائے۔ چناں چہ اب وہاں سڑک بن گئی

ہے۔“

”اوہ!“عنبر پانی کے بُلبُلے کی طرح بیٹھ گیا۔ ”اب کیا ہو سکتا ہے!“

”مکان ڈھاتے وقت وہاں سے نوٹ بر آمد نہیں ہوئے۔“نسیم نے پوچھا۔

”اُونہوں۔“سیفو نادان کی بہن نے کہا۔ ”بالکل نہیں۔“

”اچھا، اب ہمیں اجازت دیجئے۔“عنبر نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ”خدا حافظ!“

اب شام ہونے والی تھی، اس لیے تینوں سُراغ رسان نے مرسیڈیز میں بیٹھتے ہی اللہ داد سے کہا۔ ”اب ہمیں واپس کریم انٹر پرائز میں پہنچا دیں۔“

”ابھی لو۔“ اللہ داد نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ”کیا تم لوگوں کا کام ہو گیا؟“

”بس ہوا بھی اور نہیں بھی ہوا۔“عنبر نے منہ لٹکاتے ہوئے کہا۔ مگر اللہ داد نے اُس کا جواب سُنے بغیر انجن اسٹارٹ کر دیا۔

جب یہ لوگ کریم انٹر پرائز سے باہر اُترے تو خالُو دکان بند کرنے ہی والے تھے۔ وہ کہنے لگے۔ ”آؤ بھی عنبر، یہ ڈبّا تمہارا انتظار کر رہا ہے۔“

”ڈبّا؟“

”ہاں۔“ خالُو نے کہا۔ ”ایک بڑا سا گتّے کا ڈبّا۔ میں نے اِسے کھول کر اِس لیے نہیں دیکھا کہ اُس پر تمہارا نام لکھا ہوا ہے۔“

”مگر یہ بڑا سا ڈبّا لایا کون تھا؟“ عنبر ڈبّے کو دیکھنے سے پہلے ہی تسلّی کرنا چاہتا تھا کہ اس میں کیا ہے۔

”ایک خانہ بدوش ٹائپ کا آدمی۔“

”یہ ٹائپ کیا ہوا خالُو جان؟“ عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

”قسم۔ خانہ بدوش قسم کا۔“ خالُو نے کہا۔ ”اس نے کپڑے خانہ بدوشوں جیسے نہیں پہن رکھے تھے، مگر چہرے مُہرے سے خانہ بدوش لگتا تھا۔“

”کہاں سے وہ ڈبّا؟“

”اُدھر۔۔۔۔۔ دکان کے کاؤنٹر کے پیچھے۔“

یہ گتّے کا ایک بڑا سا ڈبّا تھا اور بھاری بھی خاصا تھا۔ تینوں دوست مل کر اُسے

گھر لے گئے۔ عنبر نے اپنے کمرے میں جا کر ڈبّے کو کھولا تو اندر سے بہرام جادُو گر کا صندُوق نکلا۔

"افّوہ!" نسیم چلّایا۔ "یہ پھر یہاں آ گیا!"

عنبر نے جلدی سے صندُوق کا ڈھکن اُٹھایا کہ شاید اس میں سے کوئی پیغام ملے مگر اندر کوئی خط نہ تھا۔ البتّہ جوں ہی اُس نے ڈھکن اٹھایا، کپڑوں کے نیچے سے شمپک کی مدھم سی آواز آئی۔ "جلدی کرو۔۔۔۔ جلدی سے سُراغ لگاؤ۔"

تینوں سُراغ رساں حیرت سے ایک دوسرے کی جانب دیکھ رہے تھے۔ شمپک کی گنجی کھوپڑی انہیں کوئی پیغام دے رہی تھی۔

نیا سُراغ رساں

اگلی سہ پہر کو تینوں سُراغ رساں ہیڈ کوارٹر میں میٹنگ کر رہے تھے۔ شمپک کو انہوں نے اسٹینڈ کے اوپر رکھا ہوا تھا اور نسیم کہہ رہا تھا۔ ”یار شمپک! تم بھی کیسی کھوپڑی ہو۔ تم نے ہم لوگوں کو بیٹھے بٹھائے مُصیبت میں مبتلا کر دیا۔“

عنبر نے سیفو نادان کا خط، جو اس نے بہرام جادُو گر کو لکھا تھا، میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ سُراغ اسی خط میں ہے۔ ہمیں اِسی خط کے

الفاظ پر غور کرنا چاہیے۔"

یہ کہہ کر اس نے لفافہ ہوا میں لہرایا۔

"ذرا اسے زور سے پڑھو۔" عاقِب نے کہا۔ "بعض اوقات ایک بات آہستہ پڑھنے سے سمجھ میں نہیں آتی، جب کہ زور سے پڑھنے سے سمجھ میں آجاتی ہے۔"

عنبر زور زور سے خط پڑھنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ لفافے کو اُنگلیوں میں گھُما رہا تھا جیسے بچّے کھلونے سے دل بہلاتے ہیں۔ ابھی وہ خط کے درمیان میں ہی پہنچا تھا کہ اُس نے ایک دم ہاتھ روک لیا اور دوسرے ہاتھ سے لفافے پر چپکے ہوئے ٹکٹوں کو ٹٹولتے ہوئے بولا۔ "میرا خیال ہے مجھے کچھ مل گیا ہے!"

"کچھ، یعنی سُراغ؟" عاقِب نے پوچھا۔

"ہاں، سُراغ۔" عنبر نے کہا۔ "اس لفافے کو دیکھو۔"

عاقِب نے لفافہ عنبر کے ہاتھ سے لے لیا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ یہ ایک عام سا لفافہ تھا، سادہ کاغذ کا بنا ہوا۔ اور اس پر دو ٹکٹ لگے ہوئے تھے۔ ایک دس پیسے کا اور دوسرا ایک روپے کا۔ لفافہ رجسٹرڈ ڈاک سے آیا تھا۔

"اس میں تو کوئی خاص بات نہیں۔" عاقِب نے لفافہ واپس کرتے ہوئے کہا۔

"اگر اس خط میں واقعی کوئی سُراغ ہے تو وہ لفافے میں نہیں ہو سکتا کیا؟" عنبر نے کہا۔

"ہو تو سکتا ہے۔" نسیم بولا۔ "مگر یہ تو ایک سیدھا سادہ لفافہ ہے۔"

"اُفّوہ!" عنبر نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔ "ذرا گہرائی میں غور کرو۔ لفافے پر لگے ہوئے ان ٹکٹوں کے نیچے کوئی پیغام نہیں ہو سکتا؟"

نسیم کچھ دیر ہونّقوں کی طرح عنبر کا منہ تکتا رہا، اور پھر ایک دم چیخ کر بولا۔

”ہو سکتا ہے۔ تم نے بڑی زبردست بات سوچی ہے۔ سیفو نادان کو پتا تھا کہ جیل کی پولیس خط کو کھول کر پڑھ سکتی ہے مگر وہ یہ کبھی نہ سوچے گی کہ ڈاک کے ٹکٹوں کے نیچے بھی پیغام ہو سکتا ہے۔“

”اب جلدی سے یہ لفافہ پانی میں ڈال دو تاکہ ٹکٹ صحیح سالم اُتر آئیں۔“ عاقِب نے کہا۔

”پانی میں ڈالنا مناسب نہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”اس طرح تو اس کے نیچے اگر کوئی تحریر ہوئی گی تو مٹ جائے گی۔ ہم اسے بھاپ دکھائیں گے اور ٹکٹ اُتار لیں گے۔“

اُسی وقت سٹوو جلایا گیا، پانی گرم کیا گیا اور بھاپ دکھا کر ٹکٹ اُتار لیے گئے۔ مگر اُن کے نیچے کوئی پیغام نہ تھا۔

ایک روپے والے بڑے سائز کے ٹکٹ کے نیچے بیس پیسے والا ایک چھوٹا ٹکٹ چپکا ہوا تھا اور اس ٹکٹ کے نیچے بھی کوئی پیغام نہ تھا۔

”اگر کوئی پیغام ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”تو وہ اس ایک روپے کے ٹکٹ کے نیچے بیس پیسے کا ٹکٹ چھپا کر بتانے کی کوشش کی گئی ہے۔“

”مگر وہ پیغام میرا مطلب ہے کہ ایک ٹکٹ کے نیچے دوسرا ٹکٹ چھپا کے کیا پیغام پہنچایا جا سکتا ہے؟“ نسیم نے کہا۔

”یہی تو ہمیں سوچنا ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”میری سمجھ میں ایک بات آتی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ غلط ہو۔“

”کیا؟“

”یہ کہ ایک ٹکٹ کے نیچے دوسرے ٹکٹ کو چھپانے کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ دولت زمین کے نیچے چھُپی ہوئی ہے“۔ عنبر نے کہا۔

”ہاں، ہو تو سکتا ہے۔“ عاقِب نے کہا۔ ”جس طرح زمین میں چھُپی ہوئی دولت نظر نہیں آ سکتی، اِسی طرح بڑے ٹکٹ کے نیچے چھوٹا ٹکٹ نظر نہیں آ رہا۔“

”لیکن زمین میں کِس جگہ دولت چھُپی ہوئی ہے؟“ نسیم نے کہا۔ ”سیفو نادان کی بہن کا وہ گھر، جہاں سے وہ پکڑا گیا، ڈھایا جا چکا ہے اور ظاہر ہے کہ سیفو نادان وہ دولت پاکستان میں کہیں بھی چھپا سکتا ہے۔“

”یہ نہ بھولو کہ دولت کا سُراغ اسی خط کے اندر ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”میں یہ۔۔۔ ارے! ایک بات تو میں بھول ہی گیا۔“

”کیا؟“

”یہ کہ فرید اور اسے دیے جانے والے کوٹ کا ذکر اس خط میں بڑے اہتمام سے کیا گیا ہے جب کہ اس کا فرید نام کا کوئی چچا زاد بھائی ہے ہی نہیں۔“

”ارے عنبر۔“ نسیم نے زور سے چیخ ماری۔ ”میں کہتا ہوں، مل گیا۔“

”کیا مل گیا؟ جلدی بولو۔“ عاقِب نے کہا۔

”تم نے کہا تھا کہ فرید اور کوٹ، تو لاہور میں ایک جگہ ہے فرید کوٹ۔“

نسیم نے کہا۔

"ہمیں خط ایک بار پھر سے پڑھنا چاہیے۔" عاقِب بولا۔ "فرید کوٹ تو واقعی ایک جگہ ہے لاہور میں۔ فرید اور کوٹ کے الفاظ شاید اسی لیے استعمال کیے گئے ہیں۔"

عنبر اس دوران میں خط پڑھ رہا تھا۔ خط پڑھنے کے بعد اس نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "نسیم، تم نے وہ مسئلہ حل کر دیا کہ دولت کہاں ہے۔ دولت فرید کوٹ ہاؤس میں یا اس کے آس پاس کہیں ہو گی۔"

"مگر۔۔۔۔۔" نسیم کا جوش کم ہو گیا تھا۔ "فرید کوٹ ہاؤس کے چاروں طرف تو ایک لمبی چوڑی آبادی ہے۔ ہم ایک ایک گھر میں جا کر دولت تلاش نہیں کر سکتے۔"

"ارے ارے، اداس نہ ہو۔" عنبر نے کہا۔ وہ اب بھی مُسکرا رہا تھا۔ "مکان کا نمبر میں نے معلوم کر لیا ہے۔"

”کیسے؟ تمھیں کسی نے بتا دیا؟“ نسیم نے کہا۔

”سیفو نادان نے۔“ عنبر نے جواب دیا۔

”سیفو نادان نے؟“ عاقِب بولا۔

”ہاں ہاں، سیفو نادان نے۔“ عنبر بولا۔ ”میں تمھیں اس کے خط کے تین فقرے سناتا ہوں۔ اس نے لکھا ہے: ہو سکتا ہے میں پانچ دن اور جیئوں، یا تین ہفتے جیتا رہوں یا دو ماہ نکال جاؤں۔“

”اس میں مکان کا نمبر کہاں سے آ گیا؟“

”پانچ، تین، دو یعنی مکان نمبر پانچ سو بتیس۔“ عنبر نے کہا۔

”اوہ! اوہ!“ عاقِب اور نسیم خوشی سے چلّائے۔

”میں نے کہا تھا نا کہ اس خط میں سُراغ ضرور ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”اب ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ مکان نمبر ۵۳۲ میں ایک لاکھ روپے زمین کے نیچے چھُپے ہوئے ہیں۔“

”مگر عنبر۔“ نسیم نے منہ لٹکا کر کہا۔ ”ہم کسی کے گھر پر دستک دے کر یہ کیسے کہیں گے کہ ہم آپ کے گھر کے اندر زمین کھود کر ایک لاکھ روپے۔۔۔“

”یہ ہمارا کام نہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”یہ پولیس کا کام ہے، اور میں انسپکٹر کو فون کر کے اُن سے مدد حاصل کروں گا۔“

یہ کہہ کر اُس نے تھانے کا نمبر ڈائل کیا۔

”ہیلو!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”کون بول رہا ہے؟“

”میں، عنبر۔ مجھے انسپکٹر صاحب سے بات کرنی ہے۔“

”انسپکٹر صاحب تو آج دوپہر گلشن آباد گئے۔ وہاں ایک کیس ہو گیا ہے چوری کا۔“

”کب واپس آئیں گے؟“ عنبر نے پوچھا۔

ہیڈ کوارٹر میں لگے ہوئے سپیکر کی مدد سے نسیم اور عاقِب بھی یہ گفت گُو

سُن رہے تھے۔

"کل دوپہر تک واپس آئیں گے۔" جواب آیا۔

"تب میں کل ان سے مل لوں گا۔" عنبر نے کہا اور ٹیلے فون کا رسیور رکھ دیا۔ اسی لمحے ٹیلے فون کی گھنٹی بجی۔ عنبر چونک اُٹھا اور رسیور اُٹھا کر بولا۔ "ہیلوغ؟" اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔ "ہیلو! تین سُراغ رساں۔"

"بہت خوب!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں عبدالقادر بول رہا ہوں۔" "عبدالقادر؟" عنبر نے دماغ پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔ یہ نام اُس کے لیے اجنبی تھا۔

"تمھیں انسپکٹر نے میرے بارے میں نہیں بتایا، گلشن آباد جانے سے پہلے؟"

"نہیں۔ اُنھوں نے آج مجھے کوئی ٹیلے فون نہیں کیا۔"

"اوہ! دوسری طرف سے ہنسنے کی آواز آئی۔ "ہو سکتا ہے وہ جلدی میں

بھول گئے ہوں۔ بہر حال، میں عبد القادر ہوں، بینکوں کی کارپوریشن کا سُراغ رساں۔ جب سے میں نے اخبار میں تم لوگوں کے ٹرنک خریدنے کی خبر پڑھی تھی، میں تم پر نظر رکھے ہوئے تھا اور۔۔۔۔"

"جی؟" عنبر نے کہا۔

"میں تمھیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ شاید تمھیں یہ علم نہیں ہے کہ تین بدمعاش دن رات تمھاری نگرانی کر رہے ہیں!"

کھوپڑی خاموش ہو گئی

"ب۔۔۔۔ بد معاش ہماری نگرانی کر رہے ہیں؟۔۔۔ تین بد معاش؟"

عنبر کی آواز ایک دفعہ کو کانپ سی گئی۔

نسیم نے تھُوک نگلتے ہوئے کہا۔ "اب کیا ہو گا؟"

عاقِب نے بھی جھُرجھُری لیتے ہوئے کہا۔ "توبہ!"

"ہاں، تین بد معاش۔" عبدالقادر نے جواب دیا۔ "وہ نہ صرف تُم پر نظر رکھے ہوئے ہیں، بلکہ جہاں کہیں بھی تم جاتے ہو، وہ تمہارا پیچھا بھی کرتے

ہیں۔"

"م۔۔۔۔ مگر کیوں؟" عنبر جانتا تھا مگر پھر بھی اُس کے منہ سے نہ جانے کیوں یہ سوال بے اختیار نکل گیا۔

"اس لیے۔" عبد القادر نے کہا۔ "کہ وہ تینوں سیفو نادان کے ساتھ جیل میں رہ چکے ہیں، اور ان کا خیال ہے کہ تم دولت کا سُراغ لگالو گے اور اس طرح تم لوگوں کے پیچھے پیچھے وہ بھی اُس تک پہنچ جائیں گے۔"

"لیکن ہم نے تو کسی آدمی کو اپنا پیچھا کرتے ہوئے نہیں پایا۔" عنبر نے کہا۔ "صرف ایک بار دو آدمیوں نے۔۔۔۔"

"تم آدمیوں وادمیوں کو چھوڑو۔" عبد القادر نے کہا۔ "یہ تین بد معاش آدمی نہیں۔ بھُوت ہیں، بھُوت۔ یہ اپنے شکار کو یُوں ختم کر دیتے ہیں کہ کسی کو پتا بھی نہیں چلتا۔ اور یہ تینوں کریم انٹر پرائز کے سامنے ایک عمارت میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"اگر آپ اتنا جانتے ہیں تو ان کے نام بھی جانتے ہوں گے۔" عنبر نے کہا۔

"ہاں، کیوں نہیں۔ ان کے نام ہیں ببرا، ڈوڈی اور چھاری۔ یہ تینوں چھٹے ہوئے بدمعاش ہیں۔" عبدالقادر نے جواب دیا۔

"تم نے اگر کوئی سُراغ پالیا ہے تو خود کوشش کرنے کے بجائے پولیس کو اِطّلاع دے دو۔"

"ہم نے ابھی ابھی تھانے ٹیلی فون کیا تھا، جناب۔" عنبر نے کہا۔ "ہمیں ابھی ابھی ایک سُراغ ملا تھا اور ہم پولیس انسپکٹر کو بتانا چاہتے تھے لیکن وہ گلشن آباد گئے ہوئے ہیں اور وہاں سے کل لوٹیں گے۔"

"یہ تو بڑا بُرا ہوا۔" عبدالقادر نے کہا۔ "اگر تم نے یہ سُراغ کسی چھوٹے اہل کار کو بتا دیا تو ہو سکتا ہے جو انعام تمھیں ملنا چاہیے، وہ اس کا حق دار بن بیٹھے۔"

"انعام؟"

”ہاں۔ بینکوں کی کارپوریشن کی طرف سے لوٹی ہوئی دولت کا سُراغ لگانے والے کو دس ہزار روپیہ نقد دیا جائے گا۔“عبدالقادر نے دس ہزار کے لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”تم اگر یہ بات میری معرفت پولیس کو بتاؤ تو میں اس بات کا گواہ رہوں گا کہ سُراغ تم ہی نے لگایا ہے اور یوں انعام تم ہی کو ملے گا۔“

عاقِب اور نسیم، جو تھوڑی دیر پہلے خون زدہ نظر آئے تھے، اب انعام کا سُن کر خوش دکھائی دے رہے تھے۔

”تو آپ ایسا کیجیے کہ کریم انٹرپرائز تشریف لے آیئے۔“عنبر نے کہا۔ ”پتا تو آپ کو معلوم۔۔۔۔“

”یہ بات مناسب نہیں۔“ عبدالقادر نے کہا۔ ”وہ تینوں بار معاش مجھے جانتے ہیں کہ میں بھی سُراغ رساں ہوں، اس لیے اگر انہوں نے مجھے تمہارے ہاں آتے دیکھ لیا تو ہو سکتا ہے ہم چاروں کی زندگی خطرے میں پڑ جائے۔“

”تو؟“

”تو ایسا کرد کہ تم تینوں چوری چھُپے میرے پاس آجاؤ۔ یہ دھیان رہے کہ ببرا، ڈوڈی اور چھاری کو اس کا پتانہ چلے۔“

”ایسا تو ہم کر لیں گے، آپ فکر نہ کریں۔“عنبر نے کہا۔ ”مگر ہم آپ سے کہاں ملیں؟“

”ہوں! جس ہوٹل میں میں ٹھہرا ہوا ہوں وہاں ملنا مناسب نہ ہو گا۔ تم ایسا کرو، رات کے ساڑھے آٹھ بجے سبز باغ میں آجاؤ۔“

”بہتر۔“

”اور اپنے ساتھ وہ سُراغ بھی لیتے آؤ جو۔۔۔۔۔“

”وہ تو ہم لائیں گے ہی۔“عنبر نے کہا۔ ”وہ ہمارے دماغ میں ہے، اس کے بغیر ہم کیسے آسکتے ہیں۔“

ٹیلے فون بند کرتے ہی تینوں سُراغ رساں ہیڈ کوارٹر سے نکلے۔ اسی لمحے

خالہ جان نے آواز دی۔ ”بھئی کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ جلدی آؤ۔“

خالہ جان وقت پر کھانے اور کھلانے کی سخت عادی تھیں۔ اس لیے تینوں سُراغ رساں چُپ چاپ کھانے کے کمرے میں پہنچ گئے۔ ابھی ساڑھے سات بجے تھے اور ان کے پاس خاصا وقت تھا۔

خالُو نے عاقِب سے کہا۔ ”ابھی ابھی تمہارے والد صاحب دُکان کے پاس سے گزرے تھے۔ وہ تمہیں بُلا گئے ہیں۔ کہہ رہے تھے دوپہر سے تمہاری مُمانی آئی ہوئی ہیں۔“ اور اب واپس جا رہی ہیں۔ تم سے ملنا چاہتی ہیں۔ کھانا کھا کر چلے جانا۔“

عاقِب نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ”میں کھانا ممانی جان کے ساتھ ہی کھاؤں گا اور ان سے باتیں کر کے ٹھیک۔۔۔۔۔“

”ہاں، ٹھیک وقت پر پہنچ جانا۔“ عنبر نے کہا۔ ”خالُو جان ہم ذرا کھانے کے بعد سیر سپاٹا کرنے جائیں گے۔“

کھانے سے فارغ ہو کر عنبر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہاں سے ٹارچ اُٹھائی اور پھر ہیڈ کوارٹر گیا۔ کھوپڑی میز کے اسٹینڈ پر رکھی ہوئی تھی۔ اُس نے کھوپڑی کو چھُوا اور ہلکے مُسکراتے ہوئے بولا۔ ”شمپک! ہمیں سُراغ مل گیا ہے۔ اب کہو کیا کہتے ہو؟“

کھوپڑی نے کوئی جواب نہ دیا۔

دولت کی تلاش

عاقِب تیز تیز سائیکل دوڑاتا، سبز باغ میں پہنچا تو نسیم اور عنبر کو عبد القادر سے باتیں کرتے پندرہ منٹ ہو چکے تھے۔

”مجھے افسوس ہے کہ ذرا دیر ہو گئی۔“ اُس نے سائیکل ایک طرف کھڑی کرتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔ تم یقیناً عاقِب ہو۔“ عبد القادر نے کہا۔

”جی ہاں۔ اور آپ عبد القادر، بینکوں کی کارپوریشن کے سُراغ۔۔۔۔“

”رساں۔“ عبدالقادر نے لفظ جلدی سے پورا کر دیا اور اپنے بٹوے میں سے اپنا شناختی کارڈ نکال کر عاقِب کو دکھایا۔ ”یہ رہا میرا شناختی کارڈ۔“ اس نے کہا۔ ”ایسے کاموں میں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔“

”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، جناب!“ عاقِب نے کارڈ پر ایک نظر ڈال کر واپس کرتے ہوئے کہا۔ ”جب میرے دو ساتھی پہلے ہی اُسے دیکھ چکے ہیں تو میرے دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں؟“

”اب مسئلہ یہ ہے کہ فرید کوٹ ہاؤس کے مکان نمبر پانچ سو بتّیس میں ہم پولیس کی مدد کے بغیر کیسے جاسکتے ہیں۔“عنبر نے کہا۔

”یہ تو کوئی مسئلہ نہیں۔“ عاقِب نے جیب سے اخبار اتّفاق کا ایک ورق نکالا اور بولا۔ ”یہ دیکھو۔ ہم وہاں اب پولیس کی مدد کے بغیر بھی جاسکتے ہیں۔“

”جاسکتے ہیں؟“عنبر نے حیرت سے کہا اور اخبار لے کر زور زور سے پڑھنے لگا:

”فرید کوٹ ہاؤس کے نزدیک جو مکان سڑک چوڑی کرنے کے لیے خالی کرائے جاچکے ہیں، انہیں ڈھانے کے لیے ٹنڈر مطلوب ہیں۔ جو حضرات اور پارٹیاں اس میں دل چسپی۔۔۔۔۔۔“

عنبر نے پوری خبر پڑھے بغیر اخبار بند کر دیا۔ پھر وہ عبدالقادر کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم پولیس کو اِطّلاع دیے بغیر بھی وہاں جاسکتے ہیں۔ جو مکان خان کرائے جاچکے ہیں، ان میں کوئی نہیں رہتا ہو گا اور نہ کسی کو ہمارے وہاں جانے پر اعتراض ہو سکتا ہے۔“

”ہاں، ہمیں اس وقت لاہور چلنا ہو گا۔“عبدالقادر نے کہا۔

”اُسی وقت؟“عنبر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”ہم یہ کام کل پر کیوں نہ اُٹھا رکھیں؟ کل دن میں اِطمینان سے۔۔۔“

”نہیں۔“ عبدالقادر نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم ابھی لاہور جائیں گے۔ اسی وقت۔ اگر ہم نے کل کا انتظار کیا اور وہ تینوں بدمعاش ببرا، ڈوڈی اور چھاری ہم سے پہلے وہاں پہنچ گئے تو حکومت کا بھی ایک لاکھ

روپے کا نقصان ہو گا اور تم لوگوں کا انعام بھی مارا جائے گا۔"

"عبدالقادر صاحب ٹھیک کہتے ہیں، عنبر" عاقِب نے کہا۔ "یوں بھی دن میں آس پاس کے لوگ ہمیں شک کی نظر سے دیکھیں گے۔ یہ وقت بالکل مناسب ہے۔"

"ہُوں!" عنبر نے کہا۔ "بات ٹھیک ہی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ہم اس وقت لاہور جائیں گے کیسے؟"

"کار ہیں۔ میری کار باغ کے باہر کھڑی ہے۔" عبدالقادر نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ اپنی سائیکلیں تالا لگا کے یہیں کھڑی کر دو۔ واپسی میں لے لیں گے۔"

"تمھیں پکّا یقین ہے کہ دولت مکان نمبر ۵۳۲ میں ہی ہے؟" عبدالقادر نے کار کا انجن سٹارٹ کرتے ہوئے عنبر سے پوچھا۔

"ہاں، میرا تو یہی خیال ہے۔" عنبر نے کہا۔ "لفافے پر ٹکٹ کے اوپر ٹکٹ

چپکانے کا یہی مطلب ہو سکتا ہے۔ اوپر کا ٹکٹ سائز میں بڑا ہے۔ اس سے مراد فرش ہے۔ نچلا ٹکٹ چھوٹا ہے اور اس کا مطلب ہے کہ فرش میں کسی جگہ دولت چھپی ہوئی ہے۔"

"تم بہت ذہین سُراغ رساں ہو۔" عبدالقادر نے داد دیتے ہوئے کہا اور کار کی رفتار تیز کر دی۔ "میں جلد سے جلد وہاں پہنچ جانا چاہتا ہوں۔ اِن تینوں بدمعاشوں سے پہلے۔ وہ بھی بے خبر نہیں سو رہے ہوں گے۔"

لاہور پہنچتے ہی وہ سیدھے فرید کوٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ مکانات جلد ہی انہیں مل گئے جو سڑک چوڑا کرنے کے لیے خالی کرا لیے گئے تھے۔ اب عبدالقادر اور تینوں سُراغ رساں کار سے اُتر گئے تھے اور پیدل ان گھروں کے پاس سے گُزر رہے تھے۔ نسیم سب سے آگے آگے چل رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ پل بھر میں یہ لوگ دولت نکال کر بینک کے سُراغ رساں کے حوالے کر دیں تاکہ انہیں دس ہزار روپے انعام مل جائے۔

”یہ رہا مکان نمبر ۵۳۲“ نسیم نے ایک مکان کے باہر رُک کر کہا۔

”بہت خوب!“ عبد القادر نے کہا۔ ”آؤ، اب ہم مکان کے اندر چلیں۔“

”لیکن۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔“ عنبر نے مجھے رُکتے ہوئے فرش کھودیں گے۔“

”کیسے؟ سامان لانا تو بھول ہی گئے۔“

”فکر نہ کرو۔“ عبد القادر نے کہا۔ ”کھودنے کے لیے کدال اور پھاوڑا میری کار کی ڈِکّی میں رکھا ہوا ہے۔ میں نکال کے لاتا ہوں۔“ وہ دوڑ کر گیا اور کار میں سے کدال اور پھاوڑا نکال کر لے آیا۔ ”آؤ، اب ہمیں ایک منٹ بھی دیر نہیں کرنی چاہیے۔“

سب لوگ اندر چلے گئے۔ اس گھر میں تین کمرے تھے اور ایک ڈیوڑھی۔ جب وہ سارے گھر کا چکّر لگا چکے تو عبد القادر نے کہا۔ ”ہمیں کس کمرے سے پہل کرنی چاہیے۔“

”میرا خیال ہے، سب سے موزوں کمرا سونے کا کمرا ہے۔ وہ پچھلا کمرا۔“ عنبر نے اشارہ کیا۔ ”ہمیں اسی کمرے اپنی کام کا آغاز کرنا چاہیے۔“

عبدالقادر نے خود ہی کدال سے کمرے کا فرش کھودنا شروع کر دیا اور پانچ سات منٹ میں خاصا کام ہو گیا۔ اتنے میں عنبر نے دوسرے کمرے سے آواز دی۔ ”یہاں آیئے، عبدالقادر صاحب! اس کمرے کا فرش کچّا ہے اور روپیہ یہاں زیادہ آسانی سے چھُپ سکتا ہے۔“

عبدالقادر اس کمرے میں آیا ہی تھا کہ ڈیوڑھی میں چند آدمیوں کے قدموں کی آہٹ ہوئی۔ یہ لوگ چوکنّے ہو گئے مگر اُسی لمحے اُن سب پر ٹارچ کی روشنی پڑی اور ایک کرخت آواز آئی۔ ”خبردار! اگر کسی نے حرکت کی تو گولی مار دوں گا۔ سب لوگ ہاتھ اُوپر کر کے کھڑے ہو جائیں!“

دوست اور دُشمن

عبدالقادر اور لڑکوں کے چہروں پر پڑنے والی روشنی اتنی تیز تھی کہ اُن کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ وہ یہ نہ دیکھ سکے کہ آنے والے کون لوگ ہیں۔ عبدالقادر سب سے پہلے سنبھلا اور بولا۔ ”اگر آپ لوگ پولیس کے آدمی ہیں تو میں عرض کر دوں کہ میں عبدالقادر ہوں، بینکوں کی کارپوریشن کا سُراغ رساں۔“

ٹارچ کے پیچھے کھڑے ہوئے آدمی نے کرخت آواز میں قہقہہ لگایا۔ ”ہاہاہا!

عبد القادر! تو یہ نام بتایا ہے تم نے اپنا ان تین لڑکوں کو؟"

عنبر کا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے ٹارچ والے آدمی سے پوچھا۔
"کیا مطلب؟ کیا یہ عبد القادر نہیں ہے؟"

"یہ؟" کرخت آواز نے جواب دیا۔ "یہ تو لاہور کا چھٹا ہوا بدمعاش پھجّا ہے۔"

"مگر اس کے پاس تو شناختی کارڈ۔۔۔۔" عنبر نے کہا۔

"شناختی کارڈ جعلی ہے۔ یہ کئی بار فوج کا میجر بن چکا ہے، کئی بار پولیس کا انسپکٹر۔ اور اب بینکوں کی کارپوریشن کا سُراغ رساں بن گیا ہے۔ چلو دفع کرو۔ چل بے ڈوڈی، ان چاروں کو باندھ دے اور ببرے! تو ڈوڈی کی مدد کر۔"

"تو تم چھاری ہو؟" عنبر نے کہا۔

"ہاہاہا!" چھاری نے قہقہہ لگایا۔ "تم نے خوب پہچانا۔ ہاہاہا! بے وقوف

چوہے۔۔۔۔ جب تم چوری چھُپے کریم انٹرپرائز سے نکلے تھے تو ہم اسی وقت تمہارے پیچھے لگ گئے تھے۔ اور پھسّے کے بچّے کیا تو سمجھتا تھا کہ یہ دولت تو اکیلا ہڑپ کر جائے گا؟ ارے ہم تو کب سے اس وقت کا انتظار کر رہے تھے۔"

ببرا اور ڈوڈی رسّی سے اُن کو باندھنے لگے تو عنبر نے کہا۔ "تم نے بہرام جادُوگر کو کہاں رکھا ہوا ہے؟"

چھاری ہنسا۔ "ہاہاہا! میں واقعی اُسے پکڑ کے لے جاتا اور دولت کا راز جانے بغیر نہیں چھوڑتا۔ مگر وہ تو ایسا غائب ہوا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔"

پھر وہ آگے بڑھا اور پھسّے کر ٹھوکر مارتے ہوئے بولا۔ "پھسّے کے بچّے! تو چاہتا تھا دولت خود ہڑپ کر جائے۔ خُوب! کھُدائی ہو رہی ہے یہاں۔ گویا ایک لاکھ روپے کے نوٹ زمین میں دفن ہیں۔۔۔۔۔ ہاہاہا! ڈوڈی، ببرے! چلو، تم دونوں کھودنا شروع کر دو۔۔۔۔ ہاہا! یہ سُراغ تمہیں مل کیسے گیا لڑکے؟"

"بہرام جادُوگر کے ٹرنک کے اندر سے۔" عنبر نے جواب دیا۔ "اس میں سیفو نادان کا لکھا ہوا خط تھا۔"

"دیکھا چھاری؟" ببرے نے کہا۔ "میں نہ کہتا تھا کہ اس صندُوق میں سے اصل چیز غائب ہے۔"

"گویا یہ صندُوق رحمت خان کے ہاں سے تم لوگوں نے اُڑایا تھا؟" عاقِب بولا۔

"اور کس میں ہمّت تھی اتنی؟" چھاری نے اکڑتے ہوئے کہا۔ "مگر جب میں نے اس میں وہ خط نہ پایا تو مجھے بہت غصّہ آیا۔ مجھے معلوم تھا کہ بہرام کو خط ملا ہے، اور پھر اس صندُوق کو بھی ایک دن بعد ہی پانچ نقاب پوش ڈاکو ہم سے چھین کر لے گئے۔"

"یہ نقاب پوش ڈاکو کون تھے؟" عنبر نے کہا۔

"کیا معلوم۔" چھاری نے غصّے سے کہا۔ "ابے پِھسڈّی کے بچّے! یہ تیرا کام تو

نہ تھا؟" وہ پھجےّ کی طرف بڑھا۔

"نہیں۔" پھجےّ نے گھگیاتے ہوئے کہا۔ "میں بھلا اتنی جرأت کر سکتا ہوں؟"

"حیرت ہے!" چھاری نے کہا۔ "وہ یہ تین لڑکے بھی نہ تھے۔ وہ تو بھاری بھرکم آدمی تھے۔"

"چھاری، یہاں تو کچھ بھی نہیں۔" ببرے نے کہا۔

"اب ایک ہی کمرا باقی ہے۔" ڈوڈی نے کہا۔ "روپیہ وہیں ہو گا۔"

"چلو، وہیں چلتے ہیں۔" چھاری نے کہا۔ "یہ پلّے یہیں پڑے رہیں گے۔ کل پرسوں کوئی نہ کوئی انہیں کھول دے گا۔ ہمیں جلدی سے روپے نکال کے یہاں سے غائب ہو جانا چاہیے۔"

تینوں بدمعاش تیسرے کمرے میں چلے گئے اور انہوں نے جلدی جلدی زمین کھودنا شروع کر دی۔ زمین کھودنے کی آواز تینوں سُراغ رسانوں

کے کانوں میں آرہی تھی اور یہ آواز انہیں بہت بُری لگ رہی تھی۔

عنبر دل ہی دل میں اپنے آپ کو کوس رہا تھا کہ اس نے پھِٹّے کو پہچاننے میں کتنا بڑا دھوکا کھایا۔ لیکن اس میں اس کا کیا قصور تھا۔ اس نے شناختی کارڈ دکھایا تھا۔ اب وہ اتنا ماہر تو نہ تھا کہ اصلی اور جعلی شناختی کارڈ کا پتا چلا سکتا۔ پھر بھی وہ دل ہی دل میں جھنجھلا رہا تھا۔ ابھی کچھ دیر بعد چھاری، ببرا اور ڈوڈی ایک لاکھ روپے لے کر چمپت ہو جائیں گے اور وہ کچھ نہ کر سکیں گے۔

”بھئی مجھے تم تینوں سُراغ رسانوں سے پوری پوری ہمدردی ہے۔“ پھِٹّے نے کہا۔ ”میں اپنا کام زبردستی سے نہیں پیار سے لیتا ہوں۔ تمہارے ہاتھ پاؤں باندھنا میرے منصوبے میں شامل نہ تھا۔“

”یہ سب میری وجہ سے ہوا۔“ عنبر نے دُکھ بھرے لہجے میں کہا۔ ”میں نے تمہیں پہچاننے میں دھوکا کھایا۔“

”تمہاری خطا نہیں۔“ پھِٹّے نے کہا۔ ”مجھے تو بڑے بڑے نہیں پہچان سکتے۔

جب میں کسی کا روپ دھارتا ہوں تو بالکل اصلی نظر آتا ہوں۔"

اسی لمحے اُن کے کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھُلا، لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آنے والا کون ہے۔ "خاموش لیٹے رہو۔" آنے والے نے دھیمی آواز میں کہا۔ "ہم تمہارے دوست ہیں۔"

اس کے بعد کچھ سائے کمرے میں داخل ہوئے اور وہ سب کے سب دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے۔ کمرے میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اچانک چھاری، ببرا اور ڈوڈی غصّے میں بھرے ہوئے کمرے کے اندر آئے۔

"تم نے ہمیں بے وقوف بنایا ہے، چالاک لڑکے!" چھاری نے کہا۔ "وہاں تو ایک پیسہ بھی نہیں نکلا۔"

اُسی لمحے دیوار کے ساتھ ساتھ کھڑے ہوئے سائے ان تینوں کی طرف لپکے۔

گولُو کی واپسی

کمرے میں دھما چوکڑی مچ گئی۔ ببرے، چھاری اور ڈوڈی پر کئی آدمی ٹوٹ پڑے۔ چھاری اور ڈوڈی تو جلد ہی قابو میں آ گئے۔ مگر ببرے نے کافی ہاتھ مارے اور ایک بار تو وہ ڈیوڑھی تک چلا گیا۔ لیکن پُر اسرار اجنبیوں نے اسے لپک کر پکڑ ایا اور وہ بھاگنے میں کام یاب نہ ہو سکا۔

"ان سب بد معاشوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دو۔" اجنبیوں کے سردار نے کہا۔

”رسّی کہاں ہے؟“ ایک آدمی بولا۔

”رسّی میں دیتا ہوں۔“ اس نے ٹارچ جلائی اور روشنی فرش پر گھُمائی۔ جب روشنی عنبر، نسیم اور عاقِب پر پڑی تو اُس کہا۔ ”نیچے جھک کر ان لڑکوں کی رسّیاں کھول دو اور اس سے ان تینوں بدمعاشوں کو باندھ دو۔“

”اچھا سردار!“ اس آدمی نے کہا اور جھک کر تینوں سُراغ رسانوں کی رسّیاں کھولنے لگا۔ چند منٹوں میں یہ لوگ آزاد گئے۔ عنبر نے نسیم اور عاقِب کو خاموش رہنے کا اشارہ دیا، اس لیے کسی نے کوئی بات نہ کی۔

جب پُراسرار اجنبیوں نے بدمعاشوں کو رسّیوں سے باندھ دیا تو عنبر بولا۔ ”آپ لوگوں کا بہت بہت شکریہ، مگر آپ ہیں کون لوگ؟“

”تم خود ذرا سوچو کہ ہم کون ہو سکتے ہیں؟“ سردار نے جواب دیا۔ ”ہم تمہارے دوست ہیں۔“

”وہ تو آپ ہیں ہی۔۔۔۔۔ ارے!“ عنبر کا مُنہ حیرت سے پھٹے کا پھٹا رہ

گیا۔ اس نے اچانک بولنے والے آدمی کی آواز پہچان لی تھی۔ یہ آدمی گولُو کے خیمے کے باہر ملا تھا۔ آپ لوگ خانہ بدوش ہیں۔۔۔۔۔ ہیں نا؟"

"ٹھیک۔ خوب پہچانا۔" سردار نے کہا۔

"م۔۔۔۔ مگر آپ لوگ یہاں کیسے آ گئے؟" عنبر نے کہا۔

"ہم لوگ تو شروع ہی سے تمہاری مدد کر رہے ہیں۔ وہ صندُوق کا دوبارہ ملنا یاد ہے؟"

"اوہ!" عنبر کا چہرہ جوش سے تمتمانے لگا۔ "وہ آپ ہی لوگوں نے۔۔۔"

"ہاں، وہ ہمیں لوگوں نے ان بدمعاشوں کے ہاں سے اُڑایا تھا اور تمہارے گھر چھوڑ آئے تھے۔"

"اور وہ پیغام کہ مچھلی اور مینڈک۔۔۔۔۔۔ بھُوکا مینڈک نہیں بھُوکی مچھلی۔" نسیم نے کہا۔ "وہ بھی آپ لوگ دکان پر چھوڑ کر آئے تھے۔"

"ہاں، ہمارے ہی دو آدمی وہاں گئے تھے۔" سردار نے کہا۔ "اچھا، اب ان

تینوں بلکہ چاروں بد معاشوں کو باہر کھڑے ہوئے ریڑھے میں لاد آؤ۔ یہ تو پولیس کا مال ہیں۔ اور بچّہ لوگ یہ بتاؤ کہ۔۔۔۔۔۔"

"میں کچھ نہیں بتا سکتا۔" عنبر نے کہا۔ وہ اس وقت اپنی جیب سے سیفو نادان کا خط اور لفافہ نکال کے دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس نے جیب سے ٹکٹ نکالے اور جس طرح میں سے لگے ہوئے تھے، اسی طرح لگا کے دیکھنے لگا۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ آخر دولت کیوں نہیں نکلی؟"

"پھر سوچو!" سردار نے کہا۔ "اگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ دولت فرش کے نیچے ہے، تو پھر کیا مطلب ہو سکتا ہے۔"

"میں یہی سوچ رہا ہوں۔" عنبر نے کہا۔ "مگر آپ کو میری سوچ سے کیا مطلب؟ میں یہ دولت حکومت کے حوالے کر دوں گا۔ آپ اس میں اتنی دل چسپی کیوں لے رہے ہیں؟"

سردار نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے کوئی دل چسپی نہیں۔ دل چسپی تو کسی

اور کو ہے ؟"

"کسے ؟"عنبر نے حیرت سے پوچھا۔

اُسی لمحے گولُو اندر آئی اور بولی۔ "دل چسپی مجھے ہے۔ خُدا کے لیے تم دولت کا سُراغ جلدی سے لگا لو۔ جب تم دولت حاصل نہ کرو گے، میرا دوست بہرام جادُوگر مَردوں کی دنیا میں آ سکتا ہے نہ مُردوں کی دنیا میں جا سکتا ہے۔"

اصل سُراغ

”اس کا مطلب ہے کہ آپ بہرام جادُوگر کے بارے میں خاصی معلومات رکھتی ہیں۔“عنبر نے کہا۔

”یہ سب باتیں ہم بعد میں کر سکتے ہیں۔ وقت بہت قیمتی ہے۔ تم جلدی سے کچھ سوچو۔“

یکایک نسیم بولا۔ ”عنبر! ہم نے ان ٹکٹوں کے رنگوں پر غور نہیں کیا؟“

”ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔ بیس پیسے والا ٹکٹ سبز ہے اور اس کے اُوپر چپکا ہوا

ٹکٹ سُرخی مائل ہے۔ اس کا بھی تو کچھ مطلب ہو سکتا ہے۔"

"ہمارے سو سو کے نوٹ بھی تو سُرخی مائل ہوتے ہیں۔" عاقِب بولا۔ "کیا اس سے مُراد نوٹ ہیں؟"

"اُونہوں۔" عنبر نے ٹکٹوں کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "جب ڈاکا ڈالا گیا تھا تو اس وقت ہمارے نوٹ سُرخی مائل نہیں، نیلے رنگ کے ہوتے تھے۔" "تب تو نچلے ٹکٹ کا سبز رنگ نوٹوں کے لیے ہی ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ سبز اور نیلا رنگ نزدیک نزدیک ہوتے ہیں۔" نسیم بولا۔

"اگر یہ بات درست ہے تو اُوپر والے ٹکٹ کے رنگ سے کیا مراد ہے؟" عنبر نے نسیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ مجھے معلوم نہیں۔" نسیم نے کہا۔ "میرا دماغ تو کچھ کام نہیں کرتا!"

"ارے۔۔۔۔ مل گیا!" اچانک عنبر زور سے اچھلا۔ "ذرا اِدھر آؤ، نسیم اور عاقِب! یہ دیکھو۔ ایک روپے کے ٹکٹ پر کس چیز کی تصویر بنی ہوئی ہے؟"

”دروازے کی۔ کسی مسجد کا دروازہ ہے، شاید۔“ عاقِب نے کہا۔

”ہمارا مطلب فقط دروازے سے ہے۔“ عنبر بولا۔ ”اگر میرا خیال سچ ہے تو یہ دولت ڈیوڑھی کے اندر، دروازے میں داخل ہوتے ہی زمین کے نیچے ہونی چاہیے۔“ گولُو نے اپنے سردار کو اشارہ کیا۔ اُس نے کئی آدمیوں کے نام لیے اور انہیں کہا کہ فوراً ڈیوڑھی کے اندر دروازے کے بالکل قریب کی زمین کھود کر دیکھیں۔ گولُو، سردار اور تینوں سُراغ رساں بھی ڈیوڑھی میں آ گئے۔ دو تین آدمی ڈیوڑھی میں، دروازے کے قریب زمین کھودنے لگے۔

”ذرا احتیاط سے۔“ عنبر نے کہا۔ ”ہمیں یہ معلوم نہیں کہ، نوٹ کس چیز میں ہو سکتے ہیں۔“

اچانک کُدال کسی برتن سے ٹکرائی۔ کمرے میں موجود سب لوگ چونکّے ہو گئے۔ یہ ایک مٹّی کا گھڑا تھا۔ اسے بڑی احتیاط سے نکالا گیا اور جب عنبر، نسیم اور عاقِب نے دھڑکتے دل سے کھول کر دیکھا تو اس کے اندر

نوٹ ہی نوٹ تھے۔

سوسو کے نوٹ!

جب اُن نوٹوں کو گنا گیا تو پورے ایک لاکھ روپے نکلے!

"تو یہ ہے سیفو نادان کی لُوٹی ہوئی رقم۔" عنبر خوشی سے چلّایا۔

"اور شکر ہے کہ ہم نے آخر کار ڈھونڈ ہی نکالی۔" عاقِب بولا۔

"مگر ذرا دیر سے ڈھونڈی۔" نسیم نے کہا۔

"اگر جلدی ڈھونڈ لیتے تو شاید اب یہ رقم ان تینوں کے پاس ہوتی جو باہر ریڑھے میں بندھے پڑے ہیں۔" عنبر نے کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو، لڑکے۔" خانہ بدوشوں کے سردار نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "میرے مرحوم باپ فارسی کی ایک مثل سنایا کرتے تھے: دیر آید درست آید۔"

"اس کا کیا مطلب ہے؟" عنبر نے کہا۔ "ہم تینوں میں سے کوئی بھی فارسی

نہیں جانتا۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ دیر میں ہونے والا کام بہتر ہوتا ہے۔" سردار نے کہا۔

"جیسے اُردُو میں کہتے ہیں: جلدی کام شیطان کا۔" نسیم نے کہا۔ اس فقرے پر سب ہنس پڑے۔

"کیوں؟ میں نے کیا کوئی مزاحیہ بات کہہ دی ہے؟" نسیم نے کہا۔

"نہیں، یہ بات نہیں۔" عنبر بولا۔ "محاوروں کے مقابلے کے تصوّر سے ہنسی آگئی۔ ابھی ابھی ہم بدمعاشوں کا مُقابلہ کر رہے تھے اور اب محاوروں کا مقابلہ۔ بہر حال اب بھوکا مینڈک۔۔۔۔"

"اونہوں؟" گولُو نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "بھوکی مچھلی کے ہاں سے بے چارہ مینڈک بچ گیا ہے اور تالاب سے باہر نکل آیا ہے۔"

"تو یہ پیغام ہم لوگوں کو آپ نے خاص طور پر بھجوایا تھا۔" عنبر نے گولُو

سے پوچھا۔

"ہاں، میرے پیارے بچّو!" گولُو نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میرے خانہ بدوش دوست تم پر مسلسل نظر رکھے ہوئے تھے۔ اور اسی وجہ سے ہم لوگ یہاں تمہارے پیچھے پیچھے آ گئے۔ ہاں، ذرا سی دیر ہو گئی۔"

"لیکن آپ لوگوں کو اس سارے قصّے سے کیا دل چسپی ہے؟" عنبر نے کہا۔ "یہ دولت تو حکومت لے جائے گی۔"

"ہاں، یہ دولت جس بینک کی ہے، حکومت اُسی بینک کو لوٹا دے گی۔" سردار نے کہا۔ "یہ بات تو ٹھیک ہے۔ گولُو! تم ہی بتا دو بچّوں کو کہ ہمیں اس قصّے سے کیا دل چسپی ہے؟"

"دولت ملنے کے بعد یہ بدمعاش بہرام جادُوگر کو نہیں ستائیں گے۔ اس لیے وہ بے چارہ پھر سے اِس دنیا میں آ جائے گا۔"

"اس دنیا میں؟" عنبر نے کہا۔ "کیا وہ مر چکا ہے؟"

”نہیں۔“ گولُو نے کہا۔ ”میں نے تمہیں شیشے کے گولے میں دیکھ کر بتایا تھا کہ وہ اس وقت نہ مَردوں کی دنیا میں ہے اور نہ مُردوں کی دنیا میں۔ بس، اب دولت کے راز سے پردہ اُٹھ چکا ہے۔ اور اب بہرام جادُوگر واپس آجائے گا۔“

اچانک عنبر دیوانوں کی طرح اُٹھا اور گولُو کے سر پر سے چادر اُتار کر اُس کے بال کھینچنے لگا۔ نسیم اور عاقِب حیرت سے چیخے۔ ”عنبر!“

”اگر دنیا میں کہیں بہرام جادوگر موجود ہے تو وہ یہ ہے!“ عنبر نے زنانہ بالوں کی وِگ گولُو کے سر سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔“ گولُو نے کہا۔ ”میں ہی بہرام جادُوگر ہوں۔“

تینوں سُراغ رساں حیرت سے اُسے دیکھ رہے تھے۔

چند سوال

مُجرم اور دولت پولیس کے حوالے کرتے اور بیان دیتے دلاتے رات بیت چکی تھی۔

اس وقت بہرام جادُوگر ننّھے سُراغ رسانوں کے ہاں چائے کی میز پر بیٹھا اُن کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ بہت سے سوال تھے جو سُراغ رسانوں کے ذہن میں مچل رہے تھے۔

"سب سے پہلے تو میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ پولیس کو دولت کیوں نہ مل

سکی؟" عنبر نے بہرام سے پوچھا۔ "اور یہ فرید کون تھا؟"

"تم نے دراصل اپنے سوال کا جواب خود ہی دے دیا ہے۔" بہرام نے چائے کی چُسکی لیتے ہوئے کہا۔ "اس خط میں صرف فرید اور کوٹ کا ذکر ہے۔ پولیس یہ نہ سمجھ سکی کہ یہ فرید کوٹ ہاؤس کی طرف اشارہ ہے۔ پولیس نے سیفو نادان کی بہن سے رابطہ قائم کیا لیکن اس نے صرف اس فرید کا ذکر کیا جو کئی سال سے باہر گیا ہوا ہے۔"

"ہاں، بہن کا گھر انہوں نے اچھی طرح چھان مارا مگر اُس میں سے دولت نہ ملی۔"

"مگر آخر فرید کوٹ ہاؤس کے نزدیک مکان نمبر ۵۳۲ میں کون رہتا تھا اور اس کا سیفو نادان کے ساتھ کیا تعلّق تھا۔" عنبر نے کہا۔ "شاید سیفو نے کبھی آپ سے۔۔۔۔"

"ارے ہاں، یاد آیا۔ ایک بار اُس نے مجھے اپنی ایک ضعیف اور بیمار خالہ کے بارے میں ضرور بتایا تھا۔ وہ مزنگ روڈ کی طرف کہیں رہتی تھیں۔"

”بس، تو پھر یہ اُسی کا گھر ہو گا۔“ عنبر نے کہا۔ ”آپ تو جانتے ہی ہیں کہ مزنگ روڈ فرید ہاؤس کے پاس سے ہو کر گزرتی ہے۔ کیا اُس خالہ کے کوئی اولاد بھی ہے؟“

”نہیں، بس ایک بار اُس نے اس خالہ کا ذکر کیا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ اس کے کوئی اولاد نہیں، اکیلی رہتی ہے اور رشتے داروں نے اُس سے مِلنا جُلنا چھوڑ دیا ہے، صرف اِس لیے کہ اُس نے خاندان سے باہر شادی کی تھی۔ اُس کا شوہر جلدی ہی مر گیا تھا۔ تب سے وہ اکیلی رہتی ہے۔“

”تب تو بات صاف ہو گئی۔“ عنبر نے کہا۔ ”سیفو نادان نے خالہ کے ہاں جا کر اُس کی تیمار داری کا ڈھونگ رچایا ہو گا اور اس بہانے دولت وہاں دفن کر دی ہو گی۔ جب سیفو نادان جیل کاٹ کر آتا تو وہاں سے ایک لاکھ روپے نکال کر۔۔۔“

”مگر اُسے زندہ آنا نصیب نہ ہوا۔“ بہرام نے افسوس سے کہا۔ ”وہ جیل ہی میں بیمار ہوا اور مر گیا۔ بُرے کام کا کبھی اچھا نتیجہ نہیں نکلتا۔ اگر تم کانٹوں

والی جھاڑیاں بوؤ گے تو اُن میں سیب کیسے لگ سکتے ہیں۔"

"ہاں، آپ درست کہتے ہیں۔" عنبر نے کہا۔

"ایک سوال اور، بہرام صاحب۔" نسیم نے کہا۔ "کیا ببرا، چھاری اور ڈوڈی ہی سے ڈر کر آپ روپوش ہوئے تھے؟"

"ہاں، بیٹے۔ بالکل صحیح کہا تم نے۔ جب مجھے سیفو نادان کا خط ملا تو میں نے غور کیا مگر اس ایک لفظ میری سمجھ میں نہ آیا۔ بس اتنا سمجھا کہ اُس میں اُس نے اپنی لُوٹی ہوئی دولت کا سُراغ بھیجا۔ کچھ دنوں بعد ببرا، ڈوڈی اور چھاری بھی رہا ہو کر آ گئے اور میرے پیچھے لگ گئے۔ ایک دن انہوں نے مجھے خطرناک نتائج کی دھمکی دی اور اُسی دن سے میں اپنے خانہ بدوش دوستوں کے ساتھ رہنے لگا۔"

"گولُو کے روپ میں۔" عاقِب نے کہا۔ "عورت بن کر۔"

"ہاں۔ ظاہر ہے، وہ بدمعاش یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ میں ایک خانہ

بدوش عورت کے روپ میں زندگی گزار رہا ہوں۔"

"مگر یہ خانہ بدوش۔۔۔"

"میری ان سے بہت دنوں سے دوستی ہے، بلکہ رشتہ داری سمجھو، میرے دادا خانہ بدوش تھے، مگر انہوں نے شہر میں رہنا شروع کر دیا تھا۔ میرے باپ اور پھر میں شہر ہی میں رہے۔ خانہ بدوشوں کا سردار میرا پھوپھی زاد بھائی ہے۔"

"بہت خوب!" عاقِب نے کہا۔ "مگر وہ عورت بھی تو شاید آپ ہی تھے جس نے نیلام گھر میں ہم سے ٹرنک خریدنے کی کوشش کی تھی؟"

"ہاں، وہ بھی میں ہی تھا۔" بہرام نے کہا۔ "مگر جب پریس فوٹو گرافر آ گیا تو مجھے بھاگنا پڑا، کیوں کہ مجھے بھانڈا پھوٹنے کا ڈر تھا۔"

وہ ایک لمحے کے لیے رُکا اور پھر بولا۔ "جب میں نے اخبار میں تم لوگوں کی فوٹو دیکھی اور خبر پڑھی، اور تمہارے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ تم شوقیہ

طور سُراغ رسانی کرتے ہو تو میں سمجھ گیا کہ تمہیں دولت کا سُراغ مل جائے گا۔ البتّہ اس کے لیے مجھے اپنے پیارے شمپک سے مدد لینا پڑی۔"

"اوہ!" عنبر نے کہا۔ "شمپک کو تو ہم لوگ بھول ہی گئے تھے۔ آپ ہمیں یہ بتایئے کہ اس کے بولنے کا راز کیا ہے؟"

"بتاتا ہوں۔" بہرام جادُوگر نے پیالی میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا۔ "تم تو سُراغ رساں ہو۔ اس بات کا سُراغ نہیں لگا سکے؟"

"ضرور لگا لیتے۔" عنبر نے کہا۔ "لیکن دو باتوں کی وجہ سے نہ لگا سکے۔ ایک تو دولت ڈھونڈنے کے چکّر میں پڑ گئے اور دوسرے۔۔۔ دوسرے یہ کہ کھوپڑی نے کبھی ہم سے آمنے سامنے بات نہیں کی۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ" عنبر نے سوچتے ہوئے کہا۔ "ایک دفعہ تو وہ صندُوق کے اندر ہی تھی کہ زور سے چھینکی تھی اور یہ آواز کپڑوں میں دبی ہوئی ہونے

کے باوجود ہم نے سُن لی۔ پھر اس نے مُجھے رات کو اس وقت گولُو سے ملنے کا مشورہ دیا جب میں اپنے کمرے کی بتّی بجھا کر سونے ہی والا تھا۔ اگلے دن خالہ کو اس نے ہو نہہ کہہ کر ڈرا دیا۔ اور آخر میں اُس نے کل ہم سے یہ کہا کہ ہم جلدی سے سُراغ لگائیں۔ اس وقت بھی وہ کپڑوں کے نیچے تھی۔ اگر وہ دن کی روشنی میں مجھ سے بات کرتی تو میں سمجھ جاتا۔"

"اچھا، تم ایسا کرو کہ اس سے اس وقت کچھ پوچھو۔ وہ دن کی روشنی میں بھی تم سے بات کرے گی۔" بہرام نے کہا۔

عنبر نے اپنی دائیں ہاتھ کی انگلی سے نچلا ہونٹ مسلنا شروع کر دیا۔

"اب ہمارا دوست چند منٹ میں بتا دے گا۔" نسیم نے کہا۔

"میں خود ہی بتائے دیتا ہوں۔" بہرام جادُوگر نے کہا۔

"نہیں، نہیں۔" عنبر نے کہا۔ "ایک منٹ میں سمجھ گیا۔ مجھ سے ایک غَلَطی ہوئی۔ میں نے صرف کھوپڑی کو غور سے دیکھا تھا۔ اُس کے اسٹینڈ کو

نہ دیکھا۔ آپ نے اسٹینڈ کے اندر چھوٹا سا مائیکروفون اور اسپیکر لگا رکھا ہے جو ٹرانسمیٹر کے ذریعے کام کرتے ہیں۔ اسی قسم کا مائیکروفون اور اسپیکر آپ کے پاس ہے اور وہ باتیں آپ ہی ہم سے کرتے تھے۔"

"تم نے بوجھ ہی لیا۔" بہرام ہنستے ہوئے بولا۔ "تم واقعی بہت ذہین ہو۔"

"البتّہ ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" عنبر نے کہا۔ "آپ نے میری پیاری خالہ جان کو ہونہہ کہہ کے کیوں ڈرایا؟"

"میں اُن سے کچھ نہ کہنا چاہتا تھا۔ مگر جب اُنھوں نے میری پیاری کھوپڑی سے کہا کہ وہ بہت ڈراؤنی ہے اور وہ اُسے باہر پھنکوا دیں گی تو مُجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میرے منہ سے غصّے میں ہونہہ نکل گیا۔" بہرام نے ہنستے ہوئے کہا۔

تینوں سُراغ رساں زور زور سے ہنسنے لگے۔

ختم شد